# چراغ بزم کا ہوں

مجموعہ کلام جناب سلیماں مرزا کوکبؔ آفندی اکبر آبادی

ترتیب و پیشکش:

باقرؔ زیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَتَکَلَّمُوْ تَعْرَفُوْ ٥

کلام کرو تا کہ پہچانے جاؤ۔

حضرت علیؑ

# انتساب

ان نادیدہ قوتوں کے نام

جو کوکبؔ صاحب کو نظر آتی تھیں

اُن سے باتیں کرتی تھیں

اور

اُن کے فیصلے تبدیل کرا دیتی تھیں۔

# CHIRAGH BAZM KA HOON

## URDU POETRY OF

## SULEMAN MIRZA KAUKAB EFFENDI

**PRESENTED BY:**

**BAQUER ZAIDI**

**All Rights Reserved**

**Published By:**

**CHANDAN AND NOUREEN MESAM ZAIDI**

***Address: 7500 Cavan Court,***

***Laurel MD.20707-6875, USA***

***Phone: 301-617-9927***

***Price: Rs.400***

***USA $ 10.00***

# فہرست


| نمبر شمار | عنوان | | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | ضروری باتیں | باقر زیدی، کراچی | ۱ |
| ۲۔ | کوکبؔ کا کوئی شعر نہیں لطف سے خالی | ڈاکٹر سید تقی عابدی، کینیڈا | ۱۱ |
| ۳۔ | انسانی احساسات اور تہذیبی اقدار کا شاعر | پروفیسر حسن سجاد، کراچی | ۲۴ |
| ۴۔ | تاثرات | ظفر زیدی، میری لینڈ امریکہ | ۳۱ |
| ۵۔ | پاپا کے نام | چندن، میری لینڈ، امریکہ | ۳۲ |
| ۶۔ | نعت، منقبت اور سلام | کوکبؔ آفندی | ۴۰ |
| ۷۔ | ملی نغمہ | | ۴۹ |
| ۸۔ | غزلیں | | |
| ☆ | روشنی پھیل گئی، شمع شبستاں نکلا | | ۵۱ |
| ☆ | عازم ہیں یہاں کے، وہ ارادہ ہے یہاں کا | | ۵۳ |
| ☆ | آنکھوں نے ان کے جلوۂ رخ کا مزہ لیا | | ۵۴ |
| ☆ | کل مہرباں تھا مجھ پہ، نہ وہ مہرباں ہے آج | | ۵۶ |
| ☆ | بیمار ہجر سے یہ تغافل روا نہیں | | ۵۷ |
| ☆ | وہ کبھی رحم بھی کرتے ہیں تو کیا کرتے ہیں | | ۵۸ |
| ☆ | بندہ کوئی دنیا میں محمدؐ سا ہوا بھی | | ۶۰ |
| ☆ | آنے لگے وہ خواب میں فرقت نہیں رہی | | ۶۳ |

☆ دیکھنے کو آنکھ ہے ساری خدائی کیلئے ۶۵
☆ نظر ملا کے یہ کیسی نظر چرائی ہے ۶۷
☆ جب کہا میں نے کوئی وصل کی تدبیر بھی ہے ۶۹
☆ ہمیشہ ہم تو ہیں موجود، دو بدو کیلئے ۷۱
☆ یکجا ہی وصف گیسو و رخسار چاہیئے ۷۳
☆ اک وار میں اڑا کے وہ عاشق کا سر گئے ۷۵
☆ مر جاؤں تو فرقت کا تو پیغام نہ آئے ۷۷
☆ امید نہیں چرخ ستم گار کے ہوتے ۷۹
☆ وہ تو بیٹھا قتل کرنے کیلئے دل سے مجھے ۸۰
☆ نہ ہوتی تاب، بے پردہ جو تم انجان ہو جاتے ۸۳
☆ جو تیری مہربانی مجھ پہ او ظالم حسیں ہوتی ۸۵
☆ فصل گل ہے باغ میں ہم کو مگر صیاد رکھ ۸۸
☆ اٹھے جب عشق کی لذت، دل اس ظالم پہ آیا ہو ۸۹
☆ اگرچہ تیغ ادا کے ہیں اوچھے وار نہیں ۹۱
☆ عارف کوئی حضور کا میرے سوا نہیں ۹۳
☆ رہا اب تا ابد سودا شہادت کا مرے سر میں ۹۶
☆ کرتے ہو جفا مجھ پہ تو رہنا بھی خبردار ۹۹
☆ جنبشِ ابرو سے دو ٹکڑے کلیجہ کر دیا ۱۰۱
☆ ہیں مشتاق ہم اک نظر دیکھ لینا ۱۰۴

☆ کھلا اب حال آئینہ کی یکطرفہ صفائی کا ١٠٦
☆ دُھن اپنے مکاں کی ہے، تو رُخ میرے مکاں کا ١٠٨
☆ نہ کیوں شکوہ کروں تجھ سے فلک اپنے مقدر کا ١١٠
☆ ہر ایک کو دعویٰ تو ہے پر کس کیلئے ہے ١١١
☆ کافر سے گلہ ہے نہ مسلماں سے گلہ ہے ١١٣
☆ کہتا ہوں وہ بت خدا نہیں ہے ١١٥
☆ ازل سے میں ترا عارف ہوں مجھ کو عرفاں ہے ١١٨
☆ تجھے ڈھونڈ لے جو وہی کامراں ہے ١٢٠
☆ صدقے دل ان کے حسن پہ دیوانہ وار ہے ١٢٢
☆ ہنس لو مری وحشت پر ہنسنے کا زمانہ ہے ١٢٤
☆ اہل جفا جفاؤں سے دنیا ہلا گئے ١٢٦
☆ عشق میں ہوش ہے دیدار کے خواہاں ہوں گے ١٢٨
☆ بھڑکے تھے جو فراق کے شعلے بجھا لئے ١٣٠
☆ خفا وہ ہیں تو سبھی ہو گئے ہیں برہم سے ١٣٢
☆ یہ دنیا ہے دنیا پہ اس کے سہارے ١٣٤
☆ نہ ہو جو پختہ کار اتنا وہ کیا راز نہاں سمجھے ١٣٦
☆ خواب و خیال ہو گئیں باتیں شباب کی ١٣٨
☆ قضا سے ساز کر کے بند کرتے ہو زباں میری ١٤١
☆ کس کی ہمت ہے کوئی اس سے بچا لے دل کو ١٤٣

☆ کون کہتا ہے کہ مجھ میں جذبۂ کامل نہیں ۱۴۶
☆ سجدے میں جس نے سر دیا اس پہ تو ہم نثار ہیں ۱۴۸
☆ وہ دیکھتا ہے مجھے اب یہ دیکھتا ہوں میں ۱۵۰
☆ تری نگاہ کے قرباں بتا کہ کیا ہوں میں ۱۵۲
☆ یقین آئے تو کیسے آئے، ہوئیں تو ہیں بار بار باتیں ۱۵۵
☆ کروں گا ان سے میں خود کروں گا کریں گے کیا راز دار باتیں ۱۵۸
☆ مدہوش و مست ہی تھے جب آئے وہاں سے ہم ۱۶۰
☆ یہ ابتدا ہے رنگ ابھی ہے مجاز کا ۱۶۲
☆ بدلے نہ رخ کہیں نگہہ امتیاز کا ۱۶۴
☆ اب آئے ہو تو بسمل کا تماشہ دیکھ کر جانا ۱۶۶
☆ چارہ گر حال وہ پوچھیں تو کچھ ایسا کہنا ۱۶۸
☆ آنکھوں سے دل ہوا جو نمایاں کبھی کبھی ۱۷۰
☆ عشق بھی چشم پری رویاں کا ہے دل سے مجھے ۱۷۲
☆ کچھ جھکایا تو ہے اس کو آہ کی تاثیر نے ۱۷۴
☆ آگ میں جائیگا اک روز یہی ذوق گناہ ۱۷۶
☆ جذبۂ عشق سلامت ہے تو تاثیر بھی ہے۔۔۔۔۔تضمین ۱۷۷
۹۔ سہرے ۱۷۹
۱۰۔ رخصتی نظم ۱۸۶
۱۱۔ غزل ۱۸۹

# ضروری باتیں

باقرؔ زیدی

''چراغِ بزم کا ہوں'' حاضر خدمت ہے۔ یہ جناب مرزا سلیماں مرزا کوکبؔ آفندی اکبرآبادی کا وہ بچا کھچا کلام ہے جسے میں دست بُرد زمانہ سے بچانے میں کامیاب ہوسکا۔ خطِ شکست میں لکھے ہوئے کچھ انتہائی کہنہ، بوسیدہ اور شکستہ اوراق پر مشتمل ایک چھوٹی سی گٹھری سے یہ سارا کلام دستیاب ہوا۔ بار بار اور بسیار کوشش کے باوجود تحریر پڑھے جانے کے قابل نہیں تھی۔ نقطوں اور اعراب کا استعمال بھی ناپید تھا۔ کوکب صاحب لکھتے وقت انگوٹھے کا استعمال نہیں کر سکتے تھے، صرف پہلی اور بیچ کی انگلی میں قلم دبا کر خط شکست میں آڑی ترچھی لکیریں سی بناتے تھے، حروف کی مروج گولائیوں کا بھی کوئی خیال نہیں تھا، اس لئے ایک ایک غزل کو اتارنے میں دو، دو، تین، تین دن بھی لگ جاتے، اپنی علمی استعداد، ادبی سمجھ بوجھ اور اپنے ۲۳ سالہ شاعری کے تجربے کی بنیاد پر محدب شیشوں کو استعمال میں لاکر بڑی دقت اور انتہائی عرق ریزی سے بالآخر اسے نقل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر بھی کچھ مقامات ایسے تھے جو سمجھ میں نہیں آئے، کراچی آیا تو ہمیشہ کی طرح میرے استاد بھائی جناب نیرؔ اسعدی میری مدد کو آئے اور ان کی مدد سے ان مشکلات کو بھی حل کرلیا گیا۔ اور ان کے تقریباً سوا سات سو اشعار میں سے صرف ایک شعر کو حذف کیا گیا۔ مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ میں ان کے کلام کو برباد اور ناپید ہونے سے بچا سکا، اگر یہ کام مجھ سے نہ ہوتا تو یہ کبھی منظر عام پر نہ آسکتا۔ میں اپنی اس کامیاب کوشش پر بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ہائے شکر کے ساتھ حاضر ہوں۔

سلیماں مرزا کوکبؔ آفندی مرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی اکبرآبادی کے صاحبزادے اور شاعر اہلبیت علامہ نجمؔ آفندی کے چھوٹے بھائی تھے وہ عمر میں نجم صاحب سے دس سال چھوٹے تھے، ریلوے میں ملازم تھے اس لیے ہندوستان کے مختلف شہروں میں ان کا قیام رہا۔ جہاں بھی رہے شعر و ادب کی خدمت انجام دیتے رہے بہت سے شہروں میں بہت سے شاگرد چھوڑے، ان کے

شاگردوں میں ایسے بھی تھے جن کی مادری زبان بنگالی تھی اور جن کا تعلق کلکتہ اور اس کے جوار سے تھا۔ کوکبؔ صاحب تقسیمِ ہند کے بعد کراچی چلے آئے اور پھر یہیں عمر گزار دی، ان کی غزلوں کی پوٹلی سے ریڈیو پاکستان کراچی کا ایک دعوت نامہ بھی ملا ہے جس میں ان کو ریڈیو کے مشاعرے میں غزل پڑھنے کی دعوت دی گئی ہے اور پچیس ۲۵ روپیہ کے معاوضہ کا اعلان بھی، اس دعوت نامہ پر ۱۰ افروری ۱۹۵۱ء کی تاریخ درج ہے، اس دعوت نامہ کی عکسی نقل بھی شاملِ اشاعت ہے، یہ دعوت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شروع ہی سے کراچی کی اعلیٰ درجہ کی ادبی سرگرمیوں کا حصہ تھے، بزمِ غالب اور دیگر ادبی تنظیموں کی ماہانہ نشستوں اور سالانہ مشاعروں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے، حیدری منزل رنچھوڑ لائن کراچی میں جہاں ۱۹۴۸ء سے ان کا قیام تھا، ادبی نشستوں اور مشاعروں کا رواج عام تھا، شعرا اور ادبی شخصیات کے اجتماعات ہوتے رہتے تھے، خود حیدری منزل میں جو شعراء رہائش پذیر تھے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ جناب کوکبؔ آفندی، جناب کلیمؔ بھرت پوری، جناب فیضؔ بھرت پوری، جناب شفقؔ اکبر آبادی، جناب ماسٹر ارشاد حسین ارشادؔ بھرت پوری اور جناب ازلؔ کانپوری، غرض سخن وروں اور سخن فہموں کا ایک ایسا گلدستہ تھا جو حیدری منزل کی فضا کو مہکائے رکھتا تھا۔ حیدری منزل کے مہمان شعرا کی فہرست میں جناب ہادیؔ مچھلی شہری، جناب اسعدؔ شاہجہانپوری، نازشؔ حیدری، شمسؔ زبیری، کرارؔ نوری، ڈاکٹر سید یاورؔ عباس، شاداںؔ دہلوی، ارمؔ لکھنوی، حشمؔ لکھنوی، عزمؔ جونپوری، نیساںؔ اکبر آبادی، نیرؔ اکبر آبادی اور استاد قمرؔ جلالوی جیسے لوگ شامل تھے، حیدری منزل کی خوش گوار یادوں میں علاّمہ رشید ترابی مرحوم کی ایک مجلس بھی ہے جسے سن کر علاّمہ کے مخالف بزرگ حضرات بھی اس اہلِ کمال کے معترف ہوگئے تھے اور پھر کوئی علاّمہ کے خلاف ایک جملہ بھی کبھی حیدری منزل میں نہیں سنا گیا۔ حیدری منزل کے ماحول میں ہمارے ادبی، معاشرتی، سماجی، ثقافتی اور تہذیبی اقدار کی خوشبو بسی ہوئی تھی، بچوں میں مضمون نویسی کے مقابلے، تقریری مقابلے بیت بازیاں

اورادبی مباحثے عام تھے۔ میں بھی اسی فضا میں سانس لے رہا تھا۔ایک روز اردو کی کلاس میں اپنے اردو کے ٹیچر کو ایک شعر کی غلط خواندگی پر ٹوک دیا۔وہ میر انیسؔ کی یہ رباعی پڑھ رہے تھے کہ ''نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں'' جب پوری رباعی پڑھ چکے تو میں نے کہا سر، سُن اور چُن کا قافیہ سُخن نہیں ہوسکتا۔میر انیسؔ سے غلطی ہوئی ہے یا آپ نے پڑھنے میں غلطی کی ہے۔ان کو غصہ آیا اور میرے دونوں ہاتھوں پر ایک ایک بید رسید ہوا دوسرے روز وہی استاد محترم کلاس میں میری سیٹ پر آئے میرے کاندھے کو تھپکتے ہوئے جو سزا مجھے دی تھی اس پر معذرت کی اور کلاس سے کہا کہ آپ کی کلاس کا یہ اردوداں آپ کو میر انیس کی رباعی صحیح طرح سنائے گا۔میں نے تعمیل حکم کی، پھر انہوں نے کہا کہ اردو مادری زبان ہونے کے باوجود ایسی مشکل زبان ہے کہ اردو پڑھانے والا بھی غلطی کرسکتا ہے۔

حیدری منزل سے وابستہ ساعتوں میں کیسے کیسے الفاظ کیسے کیسے روزمرہ اور محاورے کیسی کیسی تراکیب کیسے کیسے فقرے کیسے کیسے مذاکرے کیسی کیسی پھبتیاں کیسے کیسے ادبی معرکے اور کیسی کیسی آوازوں میں کیا کیا اشعار بہ زبان شاعر محفوظ ہیں جن کی یادوں کا دریچہ کھلتا ہے تو اب بھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ان یادوں کا تاثر ایسا سرمایہ ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔یہ اکتساب علم سے حاصل نہیں ہوتا۔یہ ''تا نہ بخش خدائے بخشندہ'' والی بات ہے، کاش حیدری منزل کے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۷ء تک کے عشرے کی ادبی زندگی کے شب و روز کوئی قلم بند کر کے محفوظ کرلے۔کیا کیا لوگ تھے جنہیں وقت کے تھپیڑوں اور زمانے کے جبر نے حیدری منزل میں جمع کردیا تھا، کتنی کہانیوں نے جنم لیا، کتنے افسانے بنے کتنے ناول قرطاسِ وقت پر تحریر ہوئے کتنے نئے رشتوں کی بنیاد پڑی کتنے ساتھ چھوٹے، کتنے مفقود الایام اور لاثانی کردار ابھرے، ذہن کے نقوش پر اور یادوں کی زنبیل میں کیا کیا نام موجود ہیں، عین الیقین جو مہمل شعر گوئی کرتے تھے، موزوں شعر کہنا ان کے بس میں نہ تھا مگر حیدری منزل کے منچلوں نے انہیں استاد عین الیقین کہنا شروع کردیا تھا اور وہ خود بھی اپنے آپ کو اسی

مرتبہ پر فائز سمجھتے تھے۔للّہ بھائی کی ساری زندگی جو حیدری منزل میں گذری، مشروبات تیار کرنے اور اسکی فروخت میں گذری، خوب آدمی تھے، جناب انجم اکبرآبادی کا یہ شعر جوان کے بھتیجے مشتاق عباس نے مجھے یاد دلایا یہ ہے کہ

موت جب آئے گی للّہ بھائی کو
چائے کا چھڑکاؤ ہوگا قبر پر

وکیل صاحب، پکھیروا اور کھوچڑ کیا کیا نام یاد آرہے ہیں، حیدری منزل کے باسیوں میں بہت سے اللہ کو پیارے ہوگئے، بہت سے حیدری منزل سے امریکہ تک جگہ جگہ آباد ہیں، اللہ ان سب کو تندرست توانا اور خوشحال رکھے۔آمین

کوکبؔ صاحب ۱۸۹۹ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم پائی، ریلوے میں ملازمت اختیار کی، کلکتہ، ہاوڑہ، آسنسول، میرٹھ اور غازی آباد سمیت مختلف شہروں میں رہے، حیدرآباد دکن بھی گئے جہاں اُن کی بیٹی چاند سلطانہ پیدا ہوئی جس کو ساری دنیا اب چندن کے نام سے جانتی ہے، کوکبؔ صاحب کی گیارہ سالہ فالج زدگی کے دوران چندن نے اپنے والد کی بڑی خدمت کی، کوکبؔ صاحب طویل القامت شخص تھے، اُن کو اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر کر صحن میں لاکر چار پائی پر بٹھانا، سر کی حجامت بنانی، داڑھی کے بال تراشنا، نہلانا دھلانا اور پھران کے بستر پر واپس پہنچانا، یہ سب کچھ آسان کام نہیں تھا وہ بھی تن تنہا ایک لڑکی کے لئے، کوکبؔ صاحب کو اللہ نے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا کیں، آٹھ اولادوں میں سے سات اللہ نے لے لیں ایک چندن ہی بچی جو شاید اللہ نے اسی لیئے چھوڑی تھی کہ اپنے بیمار باپ کی خدمت کرے اور جس کا اس نے حق ادا کر دیا۔ماں اور باپ دونوں کی طرف سے حج بدل کروائے، ان کی مغفرت کیلئے نمازوں، دعاؤں اور داد و دہش کا ایک سلسلہ ایک مدت سے جاری ہے جو شاید اس کے آخری دم تک چلتا رہے گا۔

کوکبؔ آفندی کا ایک شعر سن کر سردار عبدالرب نشتر آبدیدہ ہو گئے، نوشہ مرزا آفندی کے رضویہ کالونی میں کنڈر گارٹن اسکول کا سالانہ جلسہ تھا۔ جلسہ گاہ معصوم طالب علموں، اُن کے والدین، ان کے اساتذہ شعبہ تعلیم سے متعلق مقتدر ہستیوں اور معززین شہر سے بھری ہوئی تھی، جلسہ کی صدارت قائد اعظمؒ کے معتمد رفیق کار سردار عبدالرب نشتر فرما رہے تھے، اسکول کے چھوٹے چھوٹے بچوں اور بچیوں نے اپنے اس جلیل القدر اور ہر دلعزیز صدر کے لئے ایک نظم پیش کی جس کے ایک ایک شعر نے حاضرین سے داد وصول کی اور جب معصوم بچوں نے شعر پڑھا کہ

مدرسہ کیا نذر لاتا ایسے رہبر کے لئے
سینکڑوں معصوم دل حاضر ہیں نشتر کے لئے

تو سب نے دیکھا کہ ایک محبت بھرا احساس اور گداز دل رکھنے والے پاکستان کے اس عظیم بیٹے کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔

۲ جنوری ۱۹۶۱ء کو میری شادی چندن سے ہوئی، کوکبؔ صاحب کا مکان میرے والد حضرت فیضؔ بھرت پوری کے گھر کے متصل تھا۔ شادی کے چند ہفتوں کے بعد ہی اپنی والدہ کے کہنے پر میں نے اپنی رہائش کوکبؔ صاحب کے گھر کر لی اور پھر ہم ہمیشہ ساتھ ہی رہے۔ آج ۹ مئی ۲۰۱۰ کو میں جہاں بیٹھا اپنا یہ مضمون قلم بند کر رہا ہوں یہ مکان بھی ایک جانب میرے والد کے مکان سے ملا ہوا ہے۔ اچھی نانی کا یہ گھر آدھی صدی سے زیادہ عرصے پر محیط ماضی کا علمبردار ہے، یادوں کا ایک طوفان ہے جو منظر پر منظر پیش کر رہا ہے، سب لوگ چلتے پھرتے مجھے نظر آ رہے ہیں۔ اچھی نانی اچھے نانا، ببن ماموں، میں جب امریکہ سے روانہ ہو رہا تھا تو میرے پاس کراچی میں قیام کے لئے کئی OPTIONS تھے، ناظم کا مکان، ندیم کا مکان، عامر کا مکان کاشف کا مکان اور اپنے عزیز دوست شبر کا مکان، مگر میں نے علی عباس رضوی کی اجازت کے بعد کسی اور OPTION پر دوسری نظر نہیں ڈالی اور کراچی ایئر پورٹ

سے سیدھا اُسی گھر پہنچا جس کی دیواریں میرے والد کے مکان سے متصل ہیں اور جن کو دیکھ کر ایک عجیب سی اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ یہ گھر ہمارے ماضی کو ہمارے حال سے جوڑے ہوئے ہے۔ اس کا درمیان کا کمرہ جہاں اچھی نانی رہتی تھیں، میرے استعمال میں ہے کوکبؔ صاحب بھی جو اچھی نانی سے کافی بڑے تھے، وہ بھی ان کو اچھی نانی ہی کہتے تھے بلالحاظِ عمر، مرتبہ اور مقام، وہ سب کی اچھی نانی تھیں، مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میں نے اپنے بزرگوں میں سے ایک کو دو، دو، نانی کہا اور دوسری کو اچھی نانی کہا اور میرا یہ کہا ہوا ان کی پہچان ہی بن گیا اور اب وہ پورے کراچی کی اچھی نانی ہیں، سامنے سعید صاحب کا گھر ہے، ان کے بیٹے اظہر سے ملاقات ہوتی رہتی ہے برابر میں عبداللہ صاحب کے ہاں سے اکبر کئی بار آچکا ہے اتقاً صاحب کے ہاں، میں ہانی اور عنبر گئے، سب سے ملاقات ہوئی، نعمان اور سلمان کی بیویاں ان کی والدہ اور بچیاں سب ہی سے ملاقات ہوئی پرانی قدروں کے لوگ ہیں بغیر تواضع اور مہمانداری کے کہاں چھوڑنے والے تھے اس لیے بہت دیر بیٹھے اور پھر اجازت ملی۔ محبتوں کے قرض بہت مشکل سے ادا ہوتے ہیں اللہ سب کو خوش وخرم اور تندرست وتوانا رکھے۔ آمین

کوکب صاحب 1899ء میں پیدا ہوئے ۱۹۲۷ء میں ان کی شادی حسینہ بیگم بنت ولایت علی سے آگرہ میں ہوئی۔ ریلوے کی ملازمت OPT کر کے ۱۹۴۸ء میں بذریعہ لاہور، کراچی پہنچے اور حیدری منزل میں سکونت اختیار کی پھر رضویہ کالونی میں موجد سرسوی کے گھر میں سال ڈیڑھ سال رہے پھر لسبیلہ کے پل کے ساتھ ایک مکان کرائے پر لے کر اس میں پرچون کی ایک چھوٹی سے دکان کھول لی اور آخر کار ۱۹۵۵ء میں اپنے نامکمل سے گھر میں ناظم آباد منتقل ہو گئے یہ مکان فرح ظفر کے امریکہ جانے کے بعد چندن کے کہنے پر فروخت کر دیا گیا۔

کوکبؔ صاحب کا جنوں سے کوئی تعلق تھا یا نہیں اس کے بارے میں خاندان میں کچھ کہانیاں

مشہور ہیں آپ بھی سن لیجیے۔کوکبؔ صاحب کے والد حضرت بزمؔ آفندی کے لڑکپن کا یہ دلچسپ واقعہ زباں زدِ عام ہے کہ گھر میں کسی نے ان کے ہاتھوں میں مہندی لگی دیکھی، پوچھا تو انہوں نے جواب سے گریز کیا، بات منشی منیرؔ تک پہنچی، انہوں نے پوچھا، عاشق حسین تمہارے ہاتھوں پر یہ مہندی کیسی ہے،فرماں بردار بھانجے نے جواب دیا کہ آج رات میری شادی ایک پری سے ہونے والی ہے یہ سن کر ہرفن استاد منشی منیرؔ نے کہا کہ تم اس کمرے کے اندر چلے جاؤ،خواہ کچھ ہو باہر نہ آنا اگر پورے گھر کو آگ لگ جائے تب بھی تم اس کمرے سے باہر نہیں نکلو گے، یہ کہہ کر اس کمرے میں تالہ ڈالا اور چابی اپنے پاس رکھ لی۔کمرے کے سامنے سفید چاندنی بچھا دی گئی، شمعیں اگر بتیاں روشن کر دی گئیں اور ایک تخت شہ نشین کے طور پر کمرے کے دروازے کے ساتھ بچھا دیا گیا جس پر منشی منیرؔ بیٹھ گئے اور اس پورے علاقے کو حصار کھینچ کر محفوظ کر لیا۔کچھ دیر بعد جنوں کی یلغار ہوئی اُن کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح مرزا عاشق حسین کو اپنے ساتھ لے جائیں مگر وہ منشی منیرؔ کے کھینچے ہوئے مضبوط حصار میں تھے،رات بھر لڑائی ہوتی رہی مگر جنات کامیاب نہ ہو سکے آخر کار صبح دم شکست خوردہ وہاں سے لوٹنے پر مجبور ہوئے لیکن جاتے جاتے یہ کہہ کر گئے کہ وہ آج کا انتقام آئندہ نسلوں سے بھی لیں گے۔

پھر ایک روز اچانک یہ معلوم ہوا کہ بزمؔ صاحب کے بیٹے مرزا اعجاز حسین عین عالم شباب میں غائب ہو گئے جو باوجود تلاشِ بیسار کہیں نہیں ملے۔پھر ایک دن نیرا کبر آبادی نے جو اُن کے رشتہ کے بھائی تھے جھانسی کی ایک شکار گاہ میں ان کو گھوڑا دوڑاتے ہوئے دیکھا تو ان کا پیچھا کیا، انہوں نے اپنا گھوڑا اور تیز کر دیا، گردن پھرا کر نیرا کبر آبادی کو دیکھا اور صرف اتنا کہا کہ نیر میرا پیچھا نہ کرو تمہیں کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔میں ان کی تحویل میں ہوں۔نیر صاحب اعجاز بھائی۔اعجاز بھائی کہتے رہ گئے اور وہ اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے روپوش ہو گئے اور پھر وہ کسی کو، کبھی، کہیں نظر نہیں آئے۔

جناب مرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی کا شمار اساتذہ میں ہوتا ہے۔وہ اردو شاعری کے ایک

مستند استاد کا درجہ رکھتے ہیں وہ صاحب دیوان شاعر ہیں، ان کا معراج نامہ اتنا مشہور ہوا کہ اُنہیں معراج الشعرا کے خطاب سے نوازا گیا۔ معراج کے حوالے سے ان کی غزل کا یہ شعر بھی تمام ہندوستان سے خراج تحسین لے چکا ہے۔

ے ایک شب عرش پہ محبوب کو بلواہی لیا
ہجر وہ غم ہے، خدا سے بھی اُٹھایا نہ گیا

میں نے اپنی نوعمری میں ان کو ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد دکن میں دیکھا ہے، بزم صاحب بلند قامت باوقار اور وجیہہ و شکیل شخصیت کے حامل تھے سر اور داڑھی کے سب بال سفید تھے، کوکب صاحب ظاہری اور جسمانی اعتبار سے اپنے والد سے بہت مشابہہ تھے، بزم صاحب نے تقریباً سو سال عمر پائی ۱۹۵۳ء میں حیدرآباد دکن میں انتقال کیا۔ اُن کے شاگرد انہیں پالکی میں گود میں اٹھا کر سوار کراتے اور وہ اس کبرسنی کے باوجود رات بھر شاعروں کی صدارت کرتے اور مشاعرہ ختم کروا کے گھر لوٹتے تھے۔ اُن کے بے شمار شاگرد حیدرآباد دکن آگرہ اور دیگر شہروں میں موجود تھے، وہ تمام اصناف سخن پر مکمل دسترس رکھتے تھے ان کی قادرالکلامی کے بے شمار مظاہر ان کی غزلوں اور مرثیوں میں بھرے پڑے ہیں ضیاالحسن مولوی کے مطابق انہوں نے سینکڑوں مرثیے کہے، میری بیوی چندن جوان کی پوتی ہیں اُن کا کہنا ہے کہ ایک بڑے سائیز کا صندوق دادا ابا کے مرثیوں سے بھرا ہوا تھا۔ میرے پاس ان کے کل اٹھائیس مرثیے موجود ہیں جو انشاءاللہ جلد منظر عام پر لائے جائیں گے، بزمؔ صاحب اپنے ماموں منشی منیرؔ سے اصلاح لیتے تھے، کہتے ہیں کہ رئیس پنڈراول نے نجمؔ آفندی کو مرزا اوجؔ کی شاگردی کا مشورہ دیا تو انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ میرے گھر کی استادی ہے میں کیوں کسی اور کو استاد بناؤں۔ رئیس نے پوچھا کون تو کہا منشی منیرؔ، یہ سن کر وہ خوش بھی ہوئے اور مطمئن بھی۔

قارئین کرام اس کتاب کا انتساب دیکھ کر ضرور چونکے ہوں گے، جنوں سے متعلق کوکب

صاحب کے والد اور بھائی کے واقعات تفصیلاً اوپر بیان ہو چکے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کوکب صاحب کا فالج بھی جنوں ہی کا دیا ہوا تھا۔ ۱۹۵۹ء میں میری شادی سے دو سال پہلے ان پر فالج کا حملہ ہوا جس نے ان کے آدھے دھڑ کو ناکارہ بنادیا۔ ساتھ لقوہ بھی تھا جو علاج سے ٹھیک ہوگیا مگر فالج ان کا مرض الموت ٹھہرا، کوکبؔ صاحب گیارہ سال بستر پر رہے، مگر ان کا بدن کہیں سے لگا نہیں، دانے یا آبلے کچھ نہیں پڑے، میں کبھی ان کے فالج زدہ پیر میں گدگدی کرتا تو وہ اپنا پیر ہٹانے کی کوشش کرتے یعنی فالج میں بھی گدگدی کا احساس انہیں ہوتا تھا، نماز پانچ وقت کی باقاعدگی سے پڑھتے تھے مگر بغیر وضو کے، وہ وضو کر ہی نہیں سکتے تھے، طہارت کے تقاضے بھی پورے ہونے ممکن نہ تھے، قیام قعود اور سجدہ بھی صحیح طرح ادا کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ سارے ارکان وہ اشاروں ہی سے ادا کرتے، آخری ایام میں عجیب قسم کے دورے انہیں پڑنے لگے تھے جو رفتہ رفتہ بڑھتے گئے اور ان کے دورانیے میں بھی شدت آتی گئی اور ایسے ہی ایک دورے کے دوران وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے جس روز انتقال ہوا، میرے بینک کیلئے روانہ ہوتے وقت انہوں نے کہا، بھئی آج ذرا جلدی آجانا، آج ہم شاید چلے جائیں، میں نے مذاقاً کہا، خالو ابا آپ ہر روز جانے کی بات کرتے ہیں اور پھر جانے کا ارادہ بدل دیتے ہیں یہ سن کر وہ بہت زور سے ہنسے اور کہا، تم نے فانیؔ کا وہ شعر سنا ہے۔

چمن سے رخصتِ فانیؔ قریب ہے شاید
کچھ اب کے بوئے کفن دامن بہار میں ہے

میں نے کہا فانیؔ کی بات چھوڑیئے، اُسے سوائے موت کی باتیں کرنے کے اور کچھ آتا ہی کب تھا، کہنے لگے نہیں بیٹا فانی اردو غزل کا بڑا شاعر ہے، اس شام حسب معمول جب میں گھر پہنچا تو کوکبؔ صاحب واقعی جا چکے تھے۔ گھر میں عزیز رشتہ دار، سوگواروں کو تعزیت دینے کیلئے جمع ہو رہے تھے اور سوگواروں کے جھمگٹ میں ایک کالی بلی میت کی چارپائی سے لگی بیٹھی تھی۔ کبھی ہٹنا بھی پڑتا تو ہٹ جاتی

مگر موقع پاتے ہی پھر آ بیٹھتی، وہ کالی بلی جنازے کے جلوس کے ساتھ گھر سے نکلی اور قبرستان تک گئی، پھر وہ کہیں نظر نہیں آئی، اپنی زندگی کے آخری ایام میں کوکبؔ صاحب کو میں نے خود نا دیدہ لوگوں سے باتیں کرتے سنا ہے، میں نے پوچھا بھی کہ خالو ابا یہ کون لوگ ہیں کیوں آتے ہیں اور کہاں سے آتے ہیں، تو گھر کی مشرقی دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ادھر سے آتے ہیں میری مزاج پرسی کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ کسی سے کچھ کہتے نہیں اور کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے، انہوں نے مزید بتایا کہ ہندو ہیں میں نے کہا کیسے معلوم تو کہا وضع قطع سے ہندو لگتے ہیں عورت، مرد، بوڑھے، بچے ادھیڑ اور جوان سب ہی ہیں، ایک روز میں نے مولانا رضا لقمان سے پوچھا کہ یہ خالو ابا کیا کہتے ہیں، کہنے لگے وہ کچھ غلط نہیں کہتے انہیں جو نظر آتا ہے، وہی کہتے ہیں پھر میں نے اپنے رشتہ کے بھائی، عباس بھائی سے جو جنوں کے تعلقات کے حوالے سے بین الاقوامی شہرت رکھتے تھے، کچھ سوالات کئے جن کے جواب جنوں ہی سے ملے یعنی وہ تحریر جنوں ہی کی تھی، ان کا جواب یہ تھا کہ

''آپ کے گھر میں جنات ہیں لیکن آپ کو گھر چھوڑنے کی ضرورت نہیں، وہ آپ سے کچھ نہیں کہیں گے''۔

یہ حسنِ اتفاق بھی میرے لئے بڑی کسب سعادت ہے کہ شاعر اہلبیت حضرت علامہ نجم آفندی کو بھی کوکبؔ صاحب کے 5 سال بعد غسل و کفن میں نے اپنے ہاتھوں سے دیا۔ کوکبؔ صاحب کو غسل دیتے لوگ ڈرتے تھے، وہ کالی بلی سب کی نظروں میں تھی اس لئے کوکبؔ صاحب کا غسل و کفن مجھی کو کرنا پڑا تھا۔

میں آپ کے اور ''چراغ بزم کا ہوں'' کے درمیان زیادہ دیر حائل ہونا نہیں چاہتا۔ اس لئے اجازت دیجئے اور کوکب صاحب کے کلام کا لطف اٹھائیے، خدا حافظ

آپ سب کا

**باقرؔ زیدی**

کوکب صاحب کے نام ریڈیو پاکستان کراچی کے مشاعرے کا دعوت نامہ جو ۱۰ فروری ۱۹۵۱ء کو ہوا۔

کوکب آفندی، فرزانہ بیٹی، حسینہ بیگم بیوی اور بڑی بیٹی چندن کے ساتھ۔

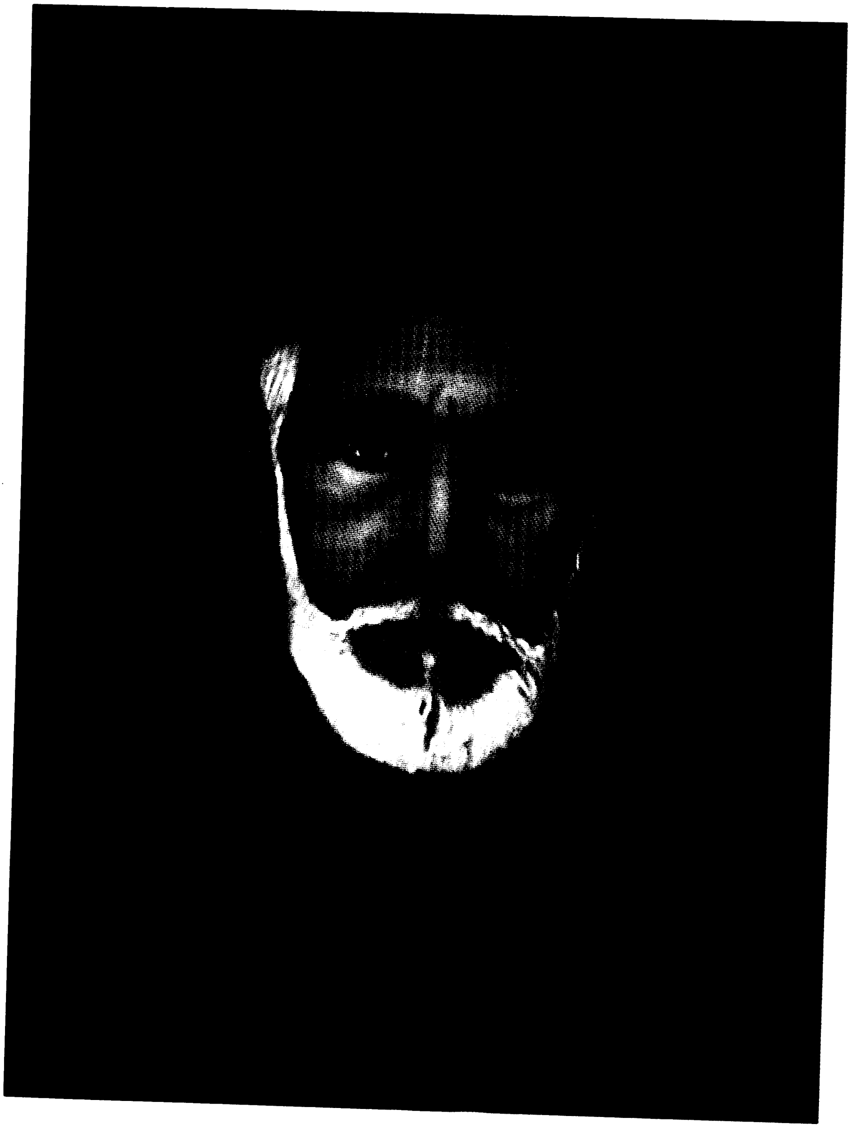

کوکب آفندی کے والدِ ماجد حضرت بزم آفندی اکبر آبادی۔

شعر و سخن میں نجمؔ یہ ہیں بے نیازیاں
بیٹھا ہوں اجتہاد کی قوت لیے ہوئے

کوکب صاحب کے برادر بزرگ حضرت علامہ نجم آفندی اکبرآبادی۔

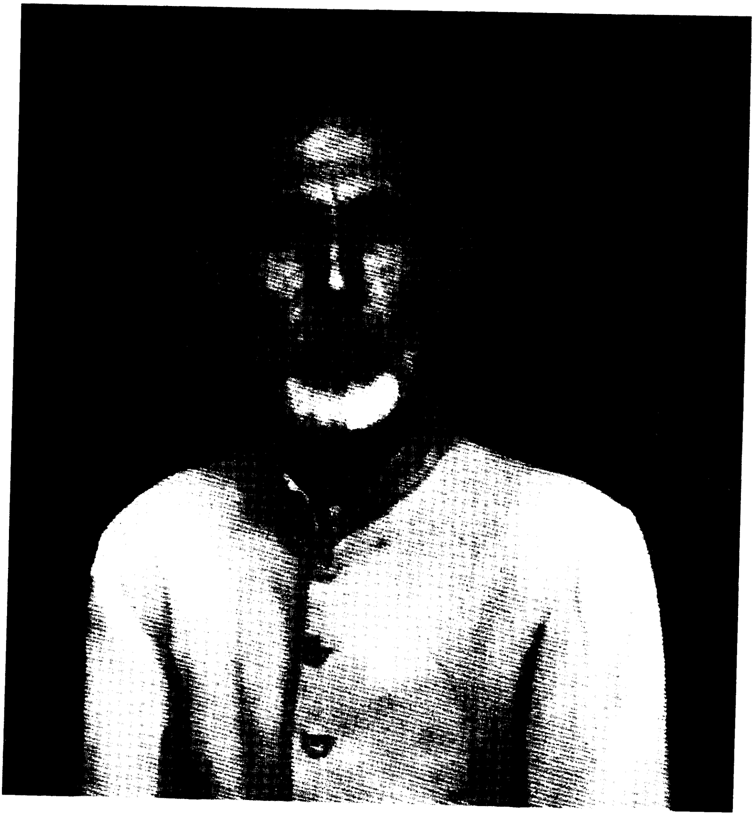

کوکب آفندی

چندن

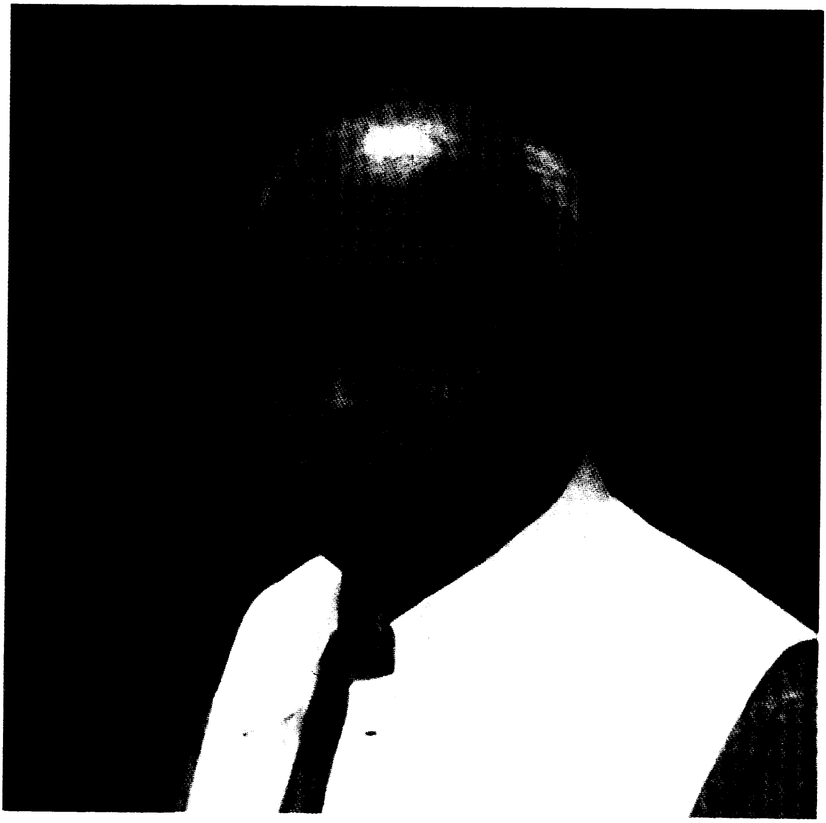

باقر زیدی

حُجّۃ الاسلام سید محمد عون نقوی جناب باقر زیدی کو کتاب پیش کر رہے ہیں۔

# ’’کوکبؔ کا کوئی شعر نہیں لطف سے خالی‘‘

ڈاکٹر سید نقی عابدی، ٹورنٹو، کینیڈا

سلیماں مرزا کوکبؔ آفندی اکبرآبادی کی استخوان بندی میں شاعری کا جوہر نہاں بھی ہے اور عیاں بھی ہے۔ شعروسخن کے جس گلشن سے مرزا کوکبؔ کا خونی رشتہ جڑا ہے اس میں مرزا فصیحؔ منشی منیرؔ شکوہ آبادی، بزمؔ آفندی اور نجمؔ آفندی قابل ذکر ہیں۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اردو شعروادب کے ممتاز شاعر جناب باقرؔ زیدی نے جو خود مرثیہ اور غزل کے اعلیٰ پایہ کے کلاسک شاعر مانے جاتے ہیں اس عظیم شاعر کا بچا کھچا کلام جو تقریباً سوا سات سو اشعار پر مشتمل ہے بڑی عرق ریزی اور دقیق نظری سے بوسیدہ اوراق سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے اردو شعریات کی خدمت ہی نہیں بلکہ ایک شریف فرشتہ صفت داماد کا حق بھی ادا کیا ہے جس کیلئے شعروادب کے پرستار باقرؔ زیدی کے ممنون ہیں۔

مرزا کوکبؔ آفندی کے باقی ماندہ کلام میں اتنی توانائی اور کشش موجود ہے جو انہیں کلاسک شاعری کے صفِ اول کے شاعروں میں کھڑا کر سکتی ہے۔ کوکبؔ آفندی اردوئے معلیٰ کی کلاسک غزل کی بہار کے آخری پھولوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ تغزل اور زبان کا رچاؤ انہیں غزل کے مختلف دبستانوں سے جوڑتا ہے۔ کوکب صاحب کا اگرچہ دَستِ بُردِ زمانہ سے جو کلام بچا ہے اس میں کوئی نظم حمد کے عنوان پر نہیں ملتی لیکن غزلوں میں حمدیہ اشعار کی اچھی تعداد نظر آتی ہے اس شعر میں حسن مجازی سے حسن حقیقی کا سفر دیکھئے۔

ہر ایک شے میں نظر آرہا ہے تو مجھ کو
جب اپنے آپ کو کھویا تو پا گیا ہوں میں

یہ ابتدا ہے رنگ ابھی ہے مجاز کا
نغمہ سنیں گے ہم بھی حقیقت کے ساز کا

ے	جب ہوش تھا، تلاش میں ناکام ہی رہے
کھوئے گئے جو ہوش تو ہم ان کو پا گئے

ے	منزل تھی آخری یہ میرے جذبِ شوق کی
کھنچ کر وہ لامکاں سے مرے دل میں آ گئے

کوکبؔ کے مجموعہ اشعار میں دو نظمیں نعت کے عنوان پر اور ایک غزل نما نعت اس امر کی دلیل ہیں کہ اس خاندان نے لغت کے مضامین میں جدت طرازیاں کی ہیں۔ نعت گوئی کی توفیق کی مہک ہر رہگزر کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ کوکبؔ کے والد مرحوم بزمؔ نے اگر معراج کے مضمون کی رنگینی کو ہجر و وصال کے تغزل سے گلگوں کیا۔

ے	ایک شب عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر وہ غم ہے خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

تو دوسری طرف بڑے بھائی نجم آفندی نے حضورؐ کی بشریت انسانیت کی معراج قرار دی۔

ے	صورت گر ازل نے ترے اعتبار پر
اک مشتِ خاک تھی جسے انساں بنادیا

کوکبؔ مرزا نے شگفتہ اور سلیس لفظوں میں نور محمدیؐ اور محبوب الٰہی کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

ے	شب ہوئی پرنور ان سے، دن انہیں سے کامیاب
سب انہیں کا فیض ہے شمس و قمر کا نام ہے

۔ خدائی ان کی ہے اور یہ خدا کے خاص بندے ہیں
خدا خود ان کا شیدا ہے نہ کیوں پھر ان پہ پیارے آئے

مرثیہ نگاری اور سلام نگاری میں بھی کوکبؔ آفندی کے اجداد ممتاز رہے۔ آج بھی ان کے والد بزمؔ آفندی کے تیس (۳۰) کے قریب مرثیے ہمیں اس دبستان مرثیہ کی انفرادیت کی نشاندہی کرتے ہیں ہمارے درمیان یوں تو کوکبؔ مرزا کا کوئی مرثیہ موجود نہیں لیکن رثائی ادب کا تبرّک چار سلاموں کی شکل میں اس دشت کی سیاحی کی گواہی دیتا ہے۔

''حُرؔ'' اردو شاعری میں ایک مجاہد کربلا ہی نہیں بلکہ ''حریت، آزادی اور بخشش'' کا استعارہ بن گیا۔ کوکبؔ کے سلاموں کے آہنگ میں منقبت کی چاشنی اور تغزل کی جھلک بھی نمایاں ہے۔ یہ سلام مبکی نہیں، اگرچہ مضامین دل کے تاروں کو چھیڑ دیتے ہیں اور آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔
مختلف سلاموں میں حُر پر یہ اشعار دیکھئے۔

۔ ہوگیا ناری سے نوری الفتِ شبیرؑ میں
حُر کا سر زانوئے شہ بختِ رسا ایسا تو ہو

۔ کردیا آزاد حُر نے پھر بھی کیسے جان دی
ساتھ دے مشکل میں عبدِ باوفا ایسا تو ہو

۔ معراج اس کو کہتے ہیں ذرّہ ہے آفتاب
زانوئے شاہ حُرِ وفادار کیلئے

کوکبؔ آفندی

چراغ بزم کا ہوں

سرخرو جنت میں پہنچا مہر سرورؑ دیکھئے
حُر کی قسمت دیکھئے حُر کا مقدر دیکھئے

حُر نکل کر آ گیا دوزخ سے جنت کی طرف
دیکھتا ہی رہ گیا لشکر کا لشکر دیکھئے

مرزا کوکبؔ کی کہنہ مشقی، کلام کی پختگی اور فطری شاعری کی سب سے بڑی دلیل مصرعوں میں لفظوں کی بندش اور ترکیب ہے علامہ شبلی کہتے ہیں عمدہ شعر وہ ہے جس کی نثر نہ ہو سکے یعنی شعر خود نثر کے قریب ہو۔ مرزا کوکبؔ کے تقریباً تمام اشعار سلیس زبان اور روزمرہ میں نظر آتے ہیں۔ یہاں ادق، نامانوس، گنجلک الفاظ کا گزر نہیں۔ محاورہ اور تلمیحات سے دریا کو کوزے میں بند کرنا ان کا فن ہے جیسے حُر کا سر اور زانوے شاہ، دوزخ سے جنت کی طرف۔ آخری شعر کے مصرع ثانی میں الفاظ کی تکرار کے ساتھ منظر کشی اور واقعہ نگاری کا حق ادا کیا گیا ہے۔

حر نکل کر آ گیا دوزخ سے جنت کی طرف
دیکھتا ہی رہ گیا لشکر کا لشکر دیکھئے

منقبت نگاری کوکبؔ کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی ہے۔ صدیوں کی عاشقی اور غدیری نشہ کی بے خودی سے اس خاندان کا ہر شاعر پہچانا جاتا ہے اگرچہ منقبت کے عنوان پر کوئی مخصوص نظم نہیں لیکن کوکبؔ کی ذات کی طرح ان کی شاعری میں بھی ہر مقام اور موقع پر ان جذبات کا اظہار روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

یہ ظاہر ہے زمانے پر کہ کوکبؔ بوترابی ہے
اسے کیا خوف مرقد کا اسے کیا ڈر ہے محشر کا

ے اک زمانہ دنگ ہو معجز نما ایسا تو ہو
کہہ اٹھیں جس کو خدا سب ناخدا ایسا تو ہو

ے ہوگئی آسان مشکل جب لیا نام علیؑ
مظہر نور خدا مشکل کشا ایسا تو ہو

ے کوکبؔ کسی کے سامنے جھکتا نہیں یہ سر
بندہ ہوں میں بھی ایک ہی بندہ نواز کا

کوکبؔ نے اپنی غزلوں میں صنعتِ حسنِ تخلص کے ساتھ ساتھ اپنی دلی اور دیرینہ آرزوؤں کا اظہار بھی کیا ہے۔ بزمؔ آفندی کے دونوں بیٹے نجمؔ اور کوکبؔ آسمان سخن پر درخشاں ہیں چنانچہ کوکب کہتے ہیں۔

ے چراغ بزم کا ہوں آسماں پہ ہوں کوکبؔ
یہ کائنات کی رونق تو ہے مرے دم سے

کربلا جانے کا عزم اور پھر وہیں رہ جانے کی خواہش کو مختلف اشعار میں باندھا ہے۔

ے کوکبؔ کو بھی بلایئے اے شاہ کربلا
کب حکم ہوگا مجھ سے گناہ گار کیلئے

ے چلو اب کربلا کوکبؔ یہی ہے وقت جانے کا
تمہاری زندگی ہوجائے گی روضہ پہ مرجانا

یوں تو کوکبؔ کے کلام میں قومی ترانہ، رخصتی کی نظم اور تین سہرے بھی موجود ہیں لیکن ان کا اغلب کلام غزلوں پر مشتمل ہے درحقیقت اس کلام کی روشنی میں ہم کوکبؔ کو غزل کا شاعر کہہ سکتے ہیں کوکبؔ کی ایک نامکمل غزل ہے اور بعض غزلیں مصرعہ طرح پر کہی گئی ہیں لیکن زیادہ تر غزلیں ان کے مزاج کے آہنگ سے لبریز ہیں۔ جن میں کچھ دوغزلہ بھی ہیں۔ کوکبؔ کی غزل کے تجزیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس جذبہ غم اور احساسِ شکست کا رچاؤ نہیں بلکہ شوق کی بے پایانی اور زندگی کا اضطراب موجزن ہے۔ وہ حوادث سے کہیں بھی مغلوب نہیں ہوتے۔ ان کی زندہ دلی اور جدت طرازی عشق کی ناکامیوں اور حسن کی بے وفائیوں سے کام لے کر ان کی محبت کو سلیقہ سکھا دیتی ہے۔ اسی لئے تو کہتے ہیں۔

ے　کون کہتا ہے کہ مجھ میں جذبہ کامل نہیں
میں ادھر ہوں وہ ادھر پردہ کوئی حائل نہیں

ے　جبر ہے یا اختیار اب تو پرائے بس میں ہے
ناز تھا جس پر ہمیں اب وہ ہمارا دل نہیں

ے　جہاں بنایا نشیمن وہیں گری بجلی
جلاؤ اور جلاؤ پھکا ہوا ہوں میں

ے　شب فرقت اگر اس ماہ رو کے غم میں روتا ہوں
مرے ہر ایک آنسو پر گماں ہوتا ہے اختر کا

ے اس عشق بے پناہ سے اللہ کی پناہ
دیکھا ہے جس نے حسن کو حیراں کبھی کبھی

ے میری نگاہِ شوق کی گردش کے ساتھ ساتھ
کل کائنات ہوتی ہے رقصاں کبھی کبھی

یہ سچ ہے کہ اردو غزل مختلف ادوار سے گزری اور مختلف اوقات اور مقامات پر اس کے اسلوب میں تبدلیاں ہوتی رہیں لیکن اس کے بنیادی ڈھانچہ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوسکی اس لئے اس محکم صنف کی حکومت بھی ملک سخن سے مٹ نہ سکی۔

فطری غزل گو شاعر کا تغزل ایک خاص قسم کی فضا رکھتا ہے جو اس کے سماجی، تمدنی حالات اور داخلی کیفیات کا نتیجہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے عشق وحسن کے معاملات میں اظہار وترسیل میں فرق نظر آتا ہے۔ مرزا کوکبؔ کی پرورش ایک علمی ادبی اور مذہبی گھرانے میں ہوئی جہاں شعر وادب اوڑھنا اور بچھونا تھا، معاشی تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے مختلف مقامات پر زندگی گزارنے کے تجربات اور مشاہدات نے جو تبدیلیاں کیں وہ ان کے کلام میں نظر آتی ہیں اسی لئے کوکبؔ کی غزل بزمؔ اور تجمؔ کی غزل سے بالکل جدا ہے۔ اس تحریر میں ان مطالب کی گنجائش نہیں لیکن جن افراد نے راقم کی طرح بزمؔ اور تجمؔ کا مطالعہ کیا ہے وہ ہماری بات سے اتفاق کریں گے۔ ذیل کے چند اشعار کوکبؔ کے اسلوب غزل کے آئینہ دار ہیں۔

ے ان حسینانِ جہاں کا ایک ہی استاد ہے
آئینہ ہی آئینہ ہے خود نمائی کیلئے

ے
دیکھئے جان کے پڑ جائیں نہ لالے دل کو
آپ نے چھیڑ دیا کیوں میرے آلے دل کو

ے
نہ کیوں شکوہ کروں تجھ سے فلک اپنے مقدر کا
بندھا تھا جس میں نامہ گر گیا وہ پر کبوتر کا

ے
یہ برسات کی رت یہ آہیں یہ آنسو
اسی طرح اب تو گزاریں گے اب کے

ے
محبت میں تصدق ہو رہے ہیں شمعِ محفل پر
کہ جل مرنے کو پروانے حیات جاوداں سمجھے

سراپا اردو غزل کا سنگھار تصور کیا جاتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کی غزل سے آج تک معشوق کے ہر عضو کا بیان نادر تشبیہات اور عمدہ استعارات میں پیش ہوتا رہا تقریباً ڈھائی سو سال قبل سراجؔ اورنگ آبادی کے شاگرد لچھمی نارائن نے تو پوری تصویر سراپا کھینچی اور سر سے ناخن پا تک کسی عضو سے غفلت نہ کی۔ نعت اور مرثیوں میں بھی ممدوح کے سراپا کو الفاظ کے سنہری پنجروں میں قید کرنے کی ناکام کوشش کی گئی بہرحال غزل کے عشقی معاملات کا جزو مہم سراپا میں غزل گو شاعروں نے اپنے اپنے تغزل کے سمند کو بے مہار دوڑانے کی جو کوششیں کی ہیں ان کی مثالیں اردو شاعری میں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ آیئے اس مہکتی فضا کی چاندنی میں کوکبؔ کی سراپا نگاری پر اڑتی نظر ڈالتے ہیں جہاں جذبہ شوق کی حیرانی شادمانی میں بدل جاتی ہے۔

ے نازک لبوں کی اور ترے کیا کروں ثنا
پتی پہ ہے دھری ہوئی پتی گلاب کی

ے للّٰہ ابروؤں کو چڑھا کر نہ دیکھئے
یہ آیتیں ہیں مصحف رخ میں عذاب کی

ے کمر کا وصف ہو جب کوئی باریکی اگر نکلے
دہَن کا جب لکھوں مضموں جو کوئی بات پیدا ہو

ے نزاکت کا نہ کیوں ہو خاتمہ اس شوخ کمسن پر
اگر دستِ تصور سے بھی چھو لیں رنگ میلا ہو

ے پوشیدہ کیوں نظر سے زمانے کی ہوگیا
ان کا دہَن جو چشمہٴ آبِ بقا نہیں

ے چھوا جو زلف کو میں نے تو بولے بل کھا کر
یہ ہاتھ بھر کی ہے رسّی ترے گلو کیلئے

یکجا ہی وصف گیسو و رخسار چاہیئے
مل جائیں صبح و شام یہ اک بار چاہیئے

مرزا کوکبؔ کے قادر الکلام شاعر ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان کی غزل میں جذبہ اور تخیل کی وحدت پائی جاتی ہے وہ ایک کامیاب شاعر کی طرح اپنے داخلی جذبے اور تجربات کو آسانی کے ساتھ ہم تک پہنچاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں نرم سلیس شگفتہ اور آسان الفاظ مصرعوں میں خوبصورت طریقہ پر جڑے ہوتے ہیں۔ غزل کے مضمون میں غم جاناں سے زیادہ غم دوراں کو موردِ بحث قرار دیا گیا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی، تصوفی مسائل، قناعت، توکل کے علاوہ اخلاق سازی، کسر نفسی اور عزتِ نفس پر عمدہ اشعار ملتے ہیں۔ اس مختصر سی تحریر میں اتنی گنجائش نہیں کہ کوکبؔ کے فن پر محاسن زبان اور ضائع بدائع پر کھل کر گفتگو ہو سکے اس لئے ہم بطور نمونہ چیدہ چیدہ غزل کے اشعار مشتی از خرمن پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ چند باقی ماندہ غیر منتخب اشعار ان شاعروں کے مجموعوں پر بھاری ہیں جو بڑے آب و تاب اور شور و غل کے ساتھ رونمائیوں کی محفلوں میں رونما ہوتے ہیں۔

سمجھنا نہ صیاد یہ آسماں ہے
نشیمن جو پھونکا ہے اس کا دھواں ہے

اٹھایا بار محبت بہت بلند ہوا
کئے فرشتوں نے سجدے جسے، وہ انساں ہے

بزم ہستی میں مقدم ہے صفائے باطن
آئینہ گر ہے تو آئینہ بنالے دل کو

کس طرح آپ کو آئے مری باتوں کا یقیں
کس طرح دل میں کوئی آپ کے ڈالے دل کو

میری نگاہ شوق کی گردش کے ساتھ ساتھ
کل کائنات ہوتی ہے رقصاں کبھی کبھی

جبر ہے یا اختیار اب تو پرائے بس میں ہے
ناز تھا جس پر ہمیں اب وہ ہمارا دل نہیں

حضرت موسیٰؑ کی لکنت آ گئی حق کو پسند
بات سلجھائی ہے کیا الجھی ہوئی تقریر نے

ان کی محفل سے ہر اک چاک گریباں نکلا
کوئی گریاں، کوئی خنداں، کوئی حیراں نکلا

دنیائے دوں پہ لوگ مرے جاتے ہیں عبث
عبرت کا یہ مقام ہے عشرت سرا نہیں

ے نشیمن میں چمن ہی کے ہیں سب اجزائے ترکیبی
چمن پر بار ہے کیوں پھر بنائے آشیاں میری

ے یہ حسن و عشق کا معیار ہے معاذ اللہ
اکیلے ہم ہیں ادھر اس طرف خدائی ہے

اکبرآباد(آگرہ)اپنے تاج محل کی سجاوٹ پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے اسی طرح اس حسین شہر کے عوام اور خواص اکبرآبادی ہونے پر فخر کرتے ہیں خدائے سخن میر تقی میرؔ، تاجدار سخن غالبؔ سے لے کر سیمابؔ، بزمؔ اور نجمؔ آفندی تک اس علم زرخیز خاک کو سرمۂ چشم سے تعبیر کرتے رہے۔مرزا کوکبؔ نے بھی اگرچہ پاک سرزمین کو اپنا گھر بنایا لیکن اپنے دل سے وطن کی یاد مٹا نہ سکے، یہی نہیں اس خاک کی ادبی اور شعری تہذیب کو بھی دوسری سرزمینوں پر فوقیت دیتے رہے۔نجمؔ آفندی نے بھی ہندوستان کے ایک بڑے مشاعرے میں جہاں دہلی اور لکھنؤ کے شعراء اس مسئلہ پر دست و گریباں تھے اپنا فیصلہ ایک فی البدیہہ شعر کہہ کر یوں صادر کیا کہ

ے زبان میرؔ کی تھی، میرؔ آگرے کے تھے
شرف ہے نجمؔ نہ دہلی نہ لکھنؤ کیلئے

ے کوکب وہی وطن تھا کبھی اب ہے یاد اس کی
اک خواب اور خیال وہ ہندوستان ہے آج

ے　　یہ آگرہ و لکھنؤ میں فرق ہے کوکبؔ
وہ طرز بیاں کی کہیں ہم طرز بیاں کا

ے　　ہر اک مقام پر اہل کمال ہیں کوکبؔ
نہیں یہ خاص شَرَف صرف لکھنؤ کیلئے

کوکبؔ کے پاس کسرِ نفسی اور عزتِ نفس کے ساتھ ساتھ اعتدال پسندی اور مرغوب تعلّی بھی ہے جو ہر شاعر کا پیدائشی حق ہے۔ اس مختصر تحریر کو ان ہی کے چند اشعار پر جو خود ان کے فن اور شخصیت پر ریویو ہے ختم کرتے ہیں۔

ے　　کوکب تو ابتدا ہی سے کہتا ہے شعر صاف
کیا خوش ہوں وہ زبان کا جن کو مزا نہیں

ے　　محبت کا سمندر بھر دیا ہے ایک کوزے میں
یہ کوکب کا ترانہ شاعری کی جان ہے ساقی

ے　　کچھ شعر بھی نہ تھے جو ہوا حاسدوں کو رنج
کوکبؔ غزل کر پڑھتے ہی چہرے اتر گئے

ے　　مقام شکر ہے کوکبؔ شکایتیں کیسی
بنادیا ہمیں انساں یہ اس کا احساں ہے

# انسانی احساسات اور تہذیبی اقدار کا شاعر

پروفیسر حسن سجادؔ

غزل ہماری شاعری کی سب سے مقبول صنف سخن ہے پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اسے اردو شاعری کی آبرو قرار دیا ہے ہر چھوٹے بڑے شاعر نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل سے کی ہے جولاں گاہِ مثنوی کے شہسوار میر حسن ہوں، آسمان قصیدہ گوئی کے آفتاب و ماہتاب سودا اور ذوق ہوں دشت مرثیہ نگاری کی سیاحت پر فخر کرنے والے میر انیسؔ ہوں یا محفل نظم گوئی کی رونق بڑھانے والے نظیر اکبر آبادی، اکبر، حالی، اقبال اور جوش ہوں سب کی شاعری کا آغاز غزل سے ہوا اپنی مخصوص صنف سخن میں شہرت پانے کے باوجود ان میں سے بیشتر شعراء آج بھی غزل کے صف اول کے شاعر مانے جاتے ہیں۔

غزل، اظہار بیان کا ایک ایسا سانچہ اور ہماری تہذیب کی ایک ایسی روایت ہے جسے ہمارے مزاج نے پیدا کیا ہے یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہماری صدیوں پرانی روایات کا عکس نظر آتا ہے غزل کو ہمارے تہذیبی مزاج سے اتنی ہم آہنگی ہے کہ ہم غیر شعوری طور پر اس کے اشعار سن کر لطف اٹھاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ غزل کی شاعری ہمیں جلدی اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری کا بڑا سرمایہ غزلوں ہی پر مشتمل ہے۔

جناب کوکبؔ آفندی اکبر آبادی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں انہوں نے شاعری کی کلاسیکی روایت کی گود میں آنکھ کھولی لیکن اپنے آپ کو صرف اس روایت تک محدود رکھنے کے بجائے انہوں نے اپنی خلاق فکر اور پختہ اسلوب سے اس کو آگے بڑھانے کی کوشش بھی کی اور اس میں مضامین تازہ کا اضافہ بھی کیا غزل میں شاعر کا رویہ، انداز بیان اور طرز فکر اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ اس کی شاعری مستقبل میں زندہ رہ سکے گی یا نہیں۔ کوکبؔ آفندی کی غزلوں میں صرف غزل کی روایتی صفات ہی نہیں

بلکہ دوصدیوں کے کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ، جدید غزل کے امکانات بھی پوشیدہ ہیں۔ان کے یہاں فکر سے زیادہ جذبے کو اہمیت دی گئی ہے۔ ان کی غزلوں میں انسانی احساسات و جذبات کی نازک تصویریں بڑی خوش سلیقگی اور موزنیت کے ساتھ ملتی ہیں اور تہذیبی اقدار کی جلوہ گری بھی نظر آتی ہے ان کی نظر میں زندگی کی سب سے بڑی صداقت عشق ہے مگر وہ اس صداقت کو اپنی شاعرانہ بصیرت سے ہم آہنگ کر کے پیش کرتے ہیں ان کے عشقیہ تجربات میں صرف گہرائی ہی نہیں بلکہ طرز اظہار کے اچھوتے پن کا بھی احساس ہوتا ہے ان کے مزاج میں جو متانت اور شائستگی تھی۔ وہی شائستگی ہمیں ان کے اشعار میں بھی ملتی ہے ان کی غزلیں ان کی ذہنی بلندی اور فکری پاکیزگی کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے ہر تجربے کو شعر نہیں بنا دیتے بلکہ ان کے اشعار ان کے جذبے کی سچائی کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ اردو غزل جیسی پامال صنف سخن میں اچھے شعر وہی نکال سکتا ہے جو ایک حساس دل اور تخلیقی ذہن کے ساتھ ساتھ غزل کے علائم و رموز سے بھرپور واقفیت اور اس کے اظہار پر ایک مضبوط فنی گرفت رکھتا ہو۔ کوکبؔ آفندی کی غزلیں ان تمام شرائط پر پوری اترتی ہیں کچھ اشعار دیکھتے چلئے۔

لائے حیا کو ساتھ بڑی دھوم دھام سے
تنہائی میں بھی آئے تو خلوت نہیں رہی

بظاہر گر نہیں ملتے، تصور ہی میں آ جاؤ
نہیں نقصان کچھ اس میں تمہاری پارسائی کا

محبت کا یقیں ان کو نہیں آتا، نہیں آتا
ہماری آرزو پوری نہیں ہوتی، نہیں ہوتی

قیامت گر تری رفتار سے ڈر کر نہ چھپ جاتی
قیامت کے، تری رفتار سے سامان ہوجاتے

مدہوش ہوں ساقی کی نظر دیکھ رہا ہوں
اے پیرمغاں میری طرف جام نہ آئے

یہ عشق کی ہے آگ بھڑک جائیں گے شعلے
دامن کی ہوا دو بھی تو آرام نہ آئے

اے بت! خدا کے سامنے آئیں گے حشر میں
ہم کو تو فیصلہ سر دربار چاہیۓ

یہ گوشہ قفس کی فضا اور پیام گل
اللہ اب کے سال بھی فصل بہار ہے

او کماندار امانت سے خبردار اپنی
کردیا ہے ترے ناوک کے حوالے دل کو

ہزار باتیں وہ کہہ رہے ہیں مگر ہے ذکر ان کی خامشی کا
اگر ہم اک لفظ منہ سے کہہ دیں، بنائی جائیں ہزار باتیں

شعور ہی عشق کا الگ ہے، مذاق ہی حسن کا جدا ہے
وہ شام غم کا سا میرا لہجہ، وہ ان کی صبح بہار باتیں

ہم سوچتے ہی رہ گئے اور لٹ گئی بہار
کانٹے چنیں کہ پھول چنیں بوستاں سے ہم

کیا پوچھتے ہو خون شہیداں کی برکتیں
رشکِ چمن بنے ہیں بیاباں کبھی کبھی

میری نگاہ شوق کی گردش کے ساتھ ساتھ
کل کائنات ہوتی ہے رقصاں کبھی کبھی

تغیر وتبدل وقت کا تقاضا ہے اور قانون فطرت بھی۔ انسان کو آئے دن نت نئے انقلابات اور تبدیلیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور زمانے کی نئی کروٹوں کے ساتھ ساتھ اس کی معاشی اور معاشرتی زندگی اور انداز فکر ونظر میں بھی تغیرات جھلکنے لگتے ہیں چنانچہ بیسویں صدی کی ابتدا کے ساتھ ہی ہر شعبہ

حیات میں بہت حیران کن سُرعت کے ساتھ انقلابات رونما ہوئے جن سے شعر وادب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مغربی ممالک کی طرح برصغیر بھی ان انقلابات سے دامن نہ بچاسکا لیکن یہاں جو کچھ تبدیلیاں عمل میں آئیں وہ زیادہ تر مغربی ممالک کی نقالی کے زیر اثر آئیں جس میں یہاں کے معاشی ومعاشرتی تقاضوں اور اپنی سوجھ بوجھ کو زیادہ دخل نہیں تھا ہر شے کو پرانی اور فرسودہ کہہ کر مسترد کیا جانے لگا اور ہر نئی چیز کو محض نئی چیز ہونے کی بناء پر اس کے حسن وقبح کو دیکھے بغیر اپنانے کی کوشش کی گئی اردو ادب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہا اور خصوصاً اردو شاعری انقلاب کے اس سیل رواں کی زد میں آئی اور انقلابی نیرنگیوں کے ہاتھوں بری طرح متاثر ہوئی لیکن اس انقلابی رو کے ساتھ ساتھ ایک کاروان خیال ایسا بھی رواں دواں تھا جس نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے ادب وشعر کی صحیح سمت میں رہنمائی کرتا رہا۔ اسی کاروان خیال کے ایک مستقل مزاج راہ رو، کوکبؔ آفندی اکبرآبادی تھے جنہوں نے اپنی غزلوں میں بہترین شعری روایات کو سمونے کے ساتھ ساتھ، آنے والے اثرات کو معقولیت اور توازن کے دائرے میں رہ کر اپنی شاعری میں برتا ہے۔

کوکبؔ آفندی جذبے کے شاعر ہیں لیکن ان کی غزلوں میں فکر کی لہریں بھی جا بجا ملتی ہیں ان کے یہاں کوئی با قاعدہ فکری نظام تو نہیں نظر آتا لیکن تغزل کے روایتی عشقیہ مضامین سے ہٹ کر انہوں نے حیات وکائنات کے اس مسائل پر بھی نظر ڈالی ہے جن کی ایک حکیمانہ اور اخلاقی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

غافل تجھے دنیا میں ٹھہرنا ہے بہت کم　　　نقش آب رواں کے ہیں، سفر عمر رواں کا

دنیائے دوں پہ لوگ مرے جاتے ہیں عبث　　　عبرت کا یہ مقام ہے، عشرت سرا نہیں

وہی کچھ اچھے ہیں دنیا میں بقول کوکبؔ　　　صبر اور ضبط سے جو کام لیا کرتے ہیں

آج وہ خار دشت ہیں، کل جو چمن میں پھول تھے　　　تخت پہ جلوہ گر جو تھے، اب وہ تہہ مزار ہیں

کوکبؔ آفندی کی شاعری کا کچھ حصہ متصوفانہ تاثرات پر بھی مشتمل ہے۔انہوں نے ''مسائل تصوف'' کی گہرائی اور پیچیدگی میں جانے کے بجائے،اس کے دو مستقل موضوعات وحدت الوجود اور مسئلہ جبر وقدر کو اس سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ بیان کر دیا ہے جو ان کے طرز ادا کی ایک نمایاں خصوصیت ہے جبر وقدر کے بارے میں ان کا وہی نظریہ ہے جو ہمارے بیشتر صوفی شعراء کا ہے۔

کرے انسان کوشش لاکھ کچھ بھی ہو نہیں سکتا وہی پیش آئے گا کوکبؔ جو لکھا ہے مقدر میں

کم بخت نے بناؤ نہ بننے دیا کہیں تقدیر بد بھی ساتھ گئی، ہم جدھر گئے

یاں کچھ کسی کی عقل کا جادو چلا نہیں انساں کے دم کا کھیل بگڑ کر بنا نہیں

خوابِ غفلت میں یہ جانا تھا کہ آزاد ہیں ہم آنکھ کھلتے ہی کھلا، پاؤں میں زنجیر بھی ہے

غزل کی شاعری چونکہ کسی خاص موضوع کی پابند نہیں ہوتی،اس لئے غزل میں موضوعات، لہجے، طرز ادا اور تراکیب الفاظ کا اتنا تنوع ملتا ہے جو کسی دوسری صنف سخن میں کم ملے گا۔ یہ خوبی کوکب آفندی کی غزلوں میں بھی پائی جاتی ہے جہاں ایک طرف آپ نے ان کے کلام میں عشقیہ مضامین کی رنگینی اور اخلاقی اور صوفیانہ موضوعات کی سنجیدگی ملاحظہ فرمائی وہاں ان کی طرز ادا کا ایک اور رنگ یعنی شوخی بیان اور لطف زبان کا ذائقہ بھی دیکھتے چلئے۔

شوخی تو دیکھئے مرا دل توڑ تاڑ کے کہتے ہیں پھیر لو یہ مرے کام کا نہیں

میں نے وعدہ جو انہیں یاد دلایا تو کہا آپ کے پاس ہماری کوئی تحریر بھی ہے

شیخ صاحب نہ پئیں ہم نے تو جائز کر لی مفت کی پیتے ہیں اور شکر خدا کرتے ہیں

سنتے ہیں زلفیں بھی انکے کان اب بھرنے لگیں		غیر کیا کم تھے لگائی اور بجھائی کیلئے
مے کے پینے کو کہا جب ان سے کچھ چپ ہو گئے		شیخ جی اب تو نظر آتے ہیں ڈھل مل سے مجھے
شوخی تو دیکھو آپ ہی لی عاشقوں کی جان		پھر خود ہی پوچھتے ہیں یہ سب کیسے مر گئے

اس کو اردو ادب کا المیہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے بزرگ شاعر ہمارے درمیان رخصت ہو گئے اور ان کا کلام بوجوہ شائع ہو کر منظر عام پر نہ آ سکا ادب و شاعری کے کیسے کیسے جواہر ریزے ہماری نگاہوں سے ہمیشہ کیلئے اوجھل ہو گئے جناب باقر زیدی قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے جناب کوکب آفندی اکبر آبادی کی خستہ و کہنہ قلمی بیاضوں پر سے گرد فراموشی کو جھاڑ کر، ان کی شکستہ خطی کے باوجود پڑھا، نقل کیا اور پھر زیور طبع سے آراستہ کر کے اردو دنیا کے سامنے لائے۔ اس کام میں جس محنت، عرق ریزی اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے اس کا اندازہ کرنا دشوار نہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی اس پرخلوص کاوش کو اہل نظر قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

# تاثرات

ظفؔر زیدی

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ جناب کوکبؔ آفندی کا کلام اشاعت پذیر ہو رہا ہے، جناب باقر زیدی کے اس اقدام کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، وہ خود ایک معروف شاعر اور ذمہ دار ادبی ورثہ دار ہیں اور یہ خوب جانتے ہیں کہ کسی شاعر کے کلام کو تباہ ہونے سے بچانا کتنا مستحسن کام ہے، میں انہیں ان کے اس کام کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اللہ ان کے اس کام کو شرف قبولیت عطا کرے۔

کوکبؔ صاحب میرے والد بزرگوار سید محمد سلمان زیدی کے دیرینہ دوست تھے، دونوں ایک دوسرے کے ہم زلف بھی تھے، اپنے رشتہ کے لحاظ سے میں انہیں خالو ابا کہتا تھا، میں نے جب ہوش سنبھالا تو ان کو فالج کے باعث بستر پر ہی دیکھا۔ آج میرے ذہن میں ان کی جو تصویر بنتی ہے وہ ایک نہایت انسان دوست، مخلص، خلیق، شفیق اور ایک خوش مزاج بزرگ کی ہے، گوری چٹی رنگت پر ان کے سر اور داڑھی کے سفید بال ان کو اور باوقار کرتے تھے، وہ بہت نرم دل تھے، دوسروں کی مصیبت سن کر ان کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔ مرحوم بہت خوبیوں کے انسان تھے، اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین

میری خوش دامن صاحبہ جو میری خالہ زاد بھی ہیں سارے خاندان میں چندن کے نام سے جانی جاتی ہیں وہی کوکبؔ صاحب کی واحد حیات اولاد تھیں انہوں نے اپنے آپ کو ان کی تیمارداری اور ہمہ وقت خدمت گزاری میں وقف کر دیا، اللہ اپنے والد کی اس خدمت کا اجر انہیں ضرور دے گا، میری بیوی فرح ان کی پہلی نواسی ہیں، ان کی عمر کوکبؔ صاحب کے انتقال کے وقت سات سال تھی، میرے والد کی دوسری شادی اپنی سالی زبیدہ بیگم سے کوکبؔ صاحب نے ہی کروائی تھی جو میری والدہ تھیں۔

# پاپا کے نام
# کچھ یادیں کچھ باتیں

سلطانہ زیدی عرف چندن

میرے شوہر باقر زیدی جو اپنی کتاب کے سلسلے میں پاکستان گئے ہوئے ہیں وہاں جانے کے بعد انہوں نے مجھے یہ سرپرائز دیا ہے کہ وہ میرے والد سلیماں مرزا کوکب آفندی کیلئے ایک کتاب شائع کروارہے ہیں جس کا نام ''چراغ بزم کا ہوں'' رکھا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ میں اپنے پاپا کیلئے کچھ لکھوں، میں عمر کے اس دور میں ہوں جہاں انسان بہت کچھ بھول جاتا ہے مجھے اپنے ماضی کے دروا کرنے پڑیں گے اور اپنے بچپن میں لوٹنا پڑے گا جہاں اس دور کی کچھ بچکانہ باتیں بھی ہوں گی انڈیا سے ہجرت مجھے یاد نہیں، چند ایک دھندلے سے نقوش حافظے میں محفوظ ہیں۔ ماں باپ زندگی کے دو اہم کردار ہیں یہ اللہ کی طرف سے دو تحفے ہیں جو انسان کبھی بھلا بھی نہیں سکتا مجھے پاپا کے ساتھ ماں کا بھی تذکرہ کرنا ہے ان کے بغیر میری بات مکمل نہیں ہوسکتی، میرے والدین کی آٹھ اولادیں ہوئیں چھ بچے مجھ سے پہلے انتقال کر گئے میرے بعد دو جڑواں بہنیں ہوئیں ایک کا نام کشور تھا اور دوسری کا فرزانہ تھا۔ کشور کا انتقال ۱۱ ماہ کی عمر میں ہوا۔ دوسری بہن فرزانہ 13 سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گئی خدا معلوم، میرے ماں باپ نے یہ صدمہ کیسے سہا ہوگا اور میں بدنصیب تنہا رہ گئی۔ میرے ماں باپ نے جس طرح مجھے پالا، جس طرح مجھے چاہا، مجھ پر اپنی کتنی محبتیں نچھاور کیں ہیں میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی۔ میں ذرا سی بھی افسردہ ہوتی تو پاپا کو پریشانی لاحق ہوجاتی، امی سے کہتے کیا بات ہوئی؟ کس بات پہ ناراض ہے؟ اور میں ناراض نہ ہونے کے باوجود کوئی فرمائش کردیتی جو پتھر پر لکیر ہوتی اور والدین اسے اپنا اولین فرض سمجھ کے پورا کردیتے۔

ماں اور باپ ایسے رشتے ہیں جن کا کوئی بدل نہیں۔ باپ کی شفقت اور ماں کی شہد میں ڈوبی ہوئی

ڈانٹ اب جب یاد آتی ہے تو دل چاہتا ہے کہ وہ زمانہ لوٹ کر آ جائے۔ نہ ہی کوئی ذمہ داری اور نہ ہی دنیا کو نباہنا۔ ہر فکر سے آزاد کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے، کیسے ہو رہا ہے ہمیں اپنے کام سے کام۔ اسکول کی فیس چاہئے، بہترین لباس فیشن کے مطابق چاہئے، ہر قسم کے جوتے بچکانہ، مردانہ پٹھانوں والے، ایڑی والے چاہئیں جیولری کا مجھے شوق نہیں تھا اور میک اپ سے بھی کوئی رغبت نہ تھی اس کے باوجود خرچے خوب کرواتی تھی اس زمانے کے لحاظ سے خاندان میں سب سے اچھے میرے لباس ہوتے تھے۔ امی تھوڑی ڈانٹ ڈپٹ کر لیتی تھیں مگر پاپا نے مجھے کبھی نہیں ڈانٹا۔

میرے والد کلکتہ میں جاب کرتے تھے، میں جو واقعہ لکھ رہی ہوں میرے دماغ کے کسی گوشے میں نہیں ہے مگر میں نے اپنے والدین اور قریبی عزیزوں سے سنا ہے ایک دن کلکتہ میں طوفانی بارش ہو رہی تھی میں نے سائیکل کی ضد کی امی نے بہت سمجھایا کہ بارش رک جائے تو پھر چلیں گے لیکن پاپا اسی طوفانی بارش میں نکل گئے بگھی لے کر آئے مجھے اور امی کو لیکر گئے اور سائیکل دلوا کر لائے، گھر میں جو کھانا پکتا میں اکثر کھانے سے انکار کر دیتی اور برتن توڑ دیتی اور پاپا بجائے ناراض ہونے کے مجھے اشارہ کرتے کہ توڑ دو اور پھر میرے ہاتھ جتنے لگتے میں توڑ دیتی اور یہ اکثر ہی ہوتا ایک دن امی نے پاپا کا اشارہ دیکھ لیا اس وقت تو کچھ نہیں بولیں مگر پھر میں نے ایک دن سنا تو کہہ رہی تھیں کہ آپ اس کی عادتیں بگاڑ رہے ہیں میں آڑ میں کھڑی سن رہی تھی پاپا کہنے لگے کہ اگر میری بیٹی برتن نہیں توڑے گی تو دوکانداروں کی بکری کیسے ہوگی، میرے جتنے بھی لباس ایسے ہوتے جو میرے دل سے اتر جاتے میں ان کو پھاڑ دیتی میں آجکل کی زبان میں کافی Spoil ہو چکی تھی۔ مجھے ٹرین کا سفر بہت پسند تھا میرے بڑے ماموں لاہور میں رہتے تھے میں ہر سال اسکول کی چھٹیوں میں لاہور جاتی تھی اکثر پاپا جاب کی وجہ سے ساتھ نہیں جا پاتے تھے لیکن جب اسٹیشن چھوڑنے آتے اور جب ٹرین روانہ ہونے لگتی تو مجھے بڑے پیار سے تاکید کرتے کہ بیٹا ماں کو تنگ نہیں کرنا، کسی اسٹیشن پر نہ اترنا اور میں کسی فرمانبردار بچی کی طرح سر ہلاتی رہتی۔ جب کوئی اسٹیشن آتا اور میں اترنے کی کوشش کرتی تو امی کی کڑی نگاہوں کی زد

میں ہوتی۔ایک مرتبہ نظر بچا کر اتر گئی اور اسٹیشن پر اتر کر منہ دھونے لگی، اتنے میں ٹرین چل پڑی۔ میں نے جلدی جلدی منہ صاف کیا اور چلتی ٹرین میں بھاگتے ہوئے سوار ہوئی۔ اس وقت امی کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ بعد میں مجھے بھی بڑی ندامت محسوس ہوئی۔ میری امی کا ایک بڑا سا پاندان تھا اکثر امی مجھ سے دو پان بنواتیں۔ ایک اپنے لئے اور ایک پاپا کیلئے۔ امی تمباکو کا استعمال کرتی تھیں۔ میں نے اپنے پان میں بھی تمباکو ڈالنا شروع کر دیا۔ اس طرح مجھے بھی عادت ہوگئی۔ امی کو پہلے پہل شک گزرا۔ انہوں نے مجھ سے باز پرس کی تو میں صاف مکر گئی۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھے تمباکو کھاتے ہوئے دیکھا مگر خاموشی سی پیچھے ہٹ گئیں پھر حسب عادت پاپا سے شکایت کی پاپا کہنے لگے کہ مت ٹوکو، کھانے دو اسے اور اس طرح میں شادی سے پہلے ہی تمباکو کھانے لگی تھی رخصتی کے وقت میری ممانی نے میری ساس سے کہا کہ پاندان بنا لینا، چندن پان کھاتی ہے اور چونکہ میری ساس میری ماں کی سگی چچازاد تھیں کہنے لگیں کہ مجھے معلوم ہے اسکول جاتے وقت جب بھی اپنے والد سے پیسے مانگتی تو کہتے، تمہیں معلوم ہے کہ کہاں رکھے ہیں جا کے لے لو۔ انہوں نے کبھی بھی خود سے پیسے میرے ہاتھ میں نہیں رکھے ایک دن میں نے پوچھا کہ آخر آپ خود کیوں نہیں دیتے تو کہنے لگے کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہارا ہاتھ کبھی پھیلے، میں تمہارا ہاتھ اوپر دیکھنا چاہتا ہوں۔ ایک دن میں نے پاپا سے پوچھا کہ آپ سچ بتائیے گا کہ میں کون سے سن میں پیدا ہوئی تھی تو پاپا کچھ ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم ایک ایک دن اللہ آمین کر کے گزار رہے ہیں اور تم ہم سے اپنی عمر پوچھ رہی ہو آئندہ یہ سوال نہ کرنا۔ پہلے زمانے کے لوگ اکثر بچوں کی عمریں 2 یا 3 سال کم لکھواتے تھے۔ اس لئے میں نے یہ سوال کیا تھا۔

ایک دن پاپا مجھے ۲ کا پہاڑہ یاد کرا رہے تھے اور مجھے یاد نہیں ہو رہا تھا ہمارا ملازم پاس کھڑا تھا اس نے یاد کر لیا پاپا کو غصہ آ گیا انہوں نے ایک تھپڑ گال پر لگا دیا مگر بعد میں کافی شرمندہ اور پشیمان بھی ہوئے لیکن اگر دو چار اور لگا دیتے تو میں شاید ایسی تو نہ ہوتی جب سن شعور کو پہنچی تو پھر ایسا کوئی واقعہ یاد نہیں ہے سوائے لاڈ پیار کے، اپنی والدہ کیلئے بھی کچھ لکھنے کا دل چاہ رہا ہے جس نے مجھے جنم دیا اور

جس کے پیروں تلے جنت ہے میں اپنی ماں کو کیسے بھول سکتی ہوں۔ ان کی منطق بالکل ہی نرالی تھی، دھوپ میں نہ جانا رنگ کالا ہو جائے گا، برتن نہیں دھونا ہاتھ خراب ہو جائیں گے چولہے کے پاس نہیں جانا جل جاؤ گی درخت کے نیچے نہیں جانا شاید میری ماں کو ڈر ہوگا کہ درخت کا کوئی پتہ میرے سر پر گر کے میرے سر کو زخمی نہ کر دے ویسے یہ میرا ذاتی خیال ہے امی نے کہا نہیں تھا ایسا۔ لاہور میں میرے ماموں کے گھر کے صحن میں بڑے بڑے درخت تھے میں اور میری ماموں زاد بہن اور دوست بنّی دوپہر ہونے کا انتظار کرتے جب سب نیند کی آغوش میں محوخواب ہوتے تو ہمارے مزے آجاتے خوب درختوں پر چڑھتے دھما چوکڑی مچاتے۔ ایک دفعہ کافی اونچی شاخ پر چڑھ گئی اور جب اترنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آئی تو چلانا شروع کر دیا۔ میری کزن درخت پر چڑھی، پھر پیٹ کے بل اوندھی ہوئی اور میں بہ مشکل اس کی پیٹ پر پیر رکھ کر اتری۔ اس کارنامے کی اطلاع امی یا پاپا میں سے کسی کو نہیں دی گئی۔ امی جب بھی گھر سے جاتیں تو ماچس ایسی جگہ رکھ کے جاتیں کہ پولیس بھی نہیں ڈھونڈ سکتی تھی اور انسانی فطرت ہے کہ اسے جس کام سے روکا جائے وہ اسی کو انجام دینے کا خواہاں ہوتا ہے چنانچہ میں بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی تھی۔ ایک دن امی پوریاں تل رہی تھیں، کچھ پوریاں بنی رکھی تھی میں نے جلدی سے ایک پوری اٹھا کر ان کی نظروں سے بچ کر کڑھائی میں کافی اونچائی سے ڈالی، تیل اچھل کر امی کے ہاتھ پہ آیا اور ان کا ہاتھ جل گیا مگر انہوں نے مجھے ایک لفظ بھی نہیں کہا بلکہ شکر ادا کرتی رہیں کہ اچھا ہوا تمہارا ہاتھ نہیں جلا۔ میں نبی باغ اسکول میں تھی نویں کلاس میں سارا سال کھیل کود میں نکال دیا، جب امتحان میں دو یا ڈھائی ماہ رہ گئے تو ہوش آیا میری تیاری نہیں ہوئی تھی میں نے یہ بات پاپا سے بیان کی اور کہا کہ میں امتحان نہیں دوں گی ماں سے اس لئے نہیں کہا کہ وہ بضد ہو جائیں گی کہیں گی بیٹا تیاری کر لو، دل لگا کر پڑھ لو، پاس ہو جاؤ گی۔ مجھے اندازہ تھا کہ پاپا منع کر دیں گے اور انہوں نے ایسا ہی کیا، کہنے لگے کہ اچھا چلو چھوڑو آئندہ سال امتحان دے لینا، پھر اچانک بولے اسکول ضرور جاؤ گھر میں بور ہوگی، میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں تمہیں تصویریں بنانا آتی ہیں

تم ایسا کرنا جب پیپر دینے جاؤ تو ہر صفحے پر کہیں تصویر کہیں کارٹون، کہیں شعروشاعری اور جو کچھ کورس کا یاد ہو لکھ دینا دیکھنا کتنا مزہ آئے گا جب تمہارے پیپر چیک ہوں گے اور یہ بھی لکھ دینا کہ میرے پاپا کہتے ہیں کہ لاڈلے بچے ایسے ہی پڑھتے ہیں پھر پاپا نے مجھے بڑے پیار سے دیکھا میں بہت خوش ہوئی کہ امی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی پھر میں نے سوچا چلو پاپا کی جان چندن صاحبہ تیار کر ہی لو۔ اگر پاپا ڈانٹتے، غصہ کرتے تو یہ امتحان کبھی بھی نہیں دیتی۔ میں اللہ کا نام لیکر پڑھائی میں جت گئی اور سارے پیپر دے آئی جب میں مارک شیٹ لیکر گھر آئی تو انتہائی رونی صورت بنا کر پاپا کے پاس آئی پاپا سمجھے میں فیل ہوگئی امی بہت رنجیدہ نظر آئیں میں نے مارک شیٹ پاپا کے ہاتھ میں دی پاپا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور تسلی دی کہ کوئی بات نہیں بیٹا۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں

میرا بیٹا آئندہ سال بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوگا میں نے پاپا سے کہا کہ رزلٹ دیکھ تو لیں، امی کو مجھے پڑھانے کا بڑا ارمان تھا امی کا چہرہ اترا ہوا تھا پھر پاپا نے مارک شیٹ دیکھی تو اچھل پڑے میں ہر سبجیکٹ میں پاس تھی وہ خوشی سے نہال ہوگئے اور امی سے کہنے لگے دیکھا میری بیٹی پاس ہوگئی۔ اگر وہ غصے سے کام لیتے تو شاید میں کبھی امتحان نہ دیتی۔ یہ وہ محبتیں تھیں جو خاک میں پنہاں ہوگئیں اس کے بعد پھر کبھی ایسی محبتیں نہ ملیں، آج بھی تشنگی باقی ہے۔ اللہ میرے بچوں کو سلامت رکھے، اس نے میری جھولی بھردی ہے۔ میرے چھ بچے، تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی تعداد نہیں لکھوں گی۔ جب سب اکٹھے ہوتے ہیں تو تقریب کا سا سماں لگتا ہے۔ اللہ انہیں نظر بد سے بچائے اور میرے اس گلشن کو سدا آباد رکھے۔ آمین۔ میں دن رات اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں اکل حلال ناجائز دولت سے کم بھی ہو تو بہت ہوتی ہے میں نے یہ دعا اپنی ساس سے سیکھی ہے وہ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتی تھیں کہ میرے بچوں کو رزق حلال کے سوا کچھ نہ دینا۔

میری شادی سے پہلے پاپا کو فالج ہو گیا تھا پاپا کا ایک ہاتھ اور ایک پیر بیکار ہو گیا تھا۔ ۱۱ سال وہ بستر پر رہے اور اس ۱۱ سال کے عرصے میں بڑے صبر کے ساتھ وقت کاٹا، نہ میں کبھی بے زار ہوئی اور نہ ہی انہوں نے کبھی شکایت کی۔ میں جتنا کر سکتی تھی میں نے کیا لیکن آج بھی سوچتی ہوں کہ کہاں کہاں مجھ سے کوتاہی ہوئی۔ اللہ مجھے اس کیلئے معاف کرے۔ پاپا کو آخری عمر میں دمہ کی شکایت بھی ہو گئی تھی، میرا کوئی بھائی تو نہیں ہے جو پاپا کے کلام کو کتابی شکل دے، میں اپنے شوہر کی ممنون ہوں جنہوں نے بیٹا بن کے دکھایا اور بڑی کاوشوں کے بعد ''چراغ بزم کا ہوں'' کے نام سے پاپا کے کلام کو شائع کر رہے ہیں۔

میرے والد اچھے شاعروں میں سے تھے یہ نجمؔ آفندی کے چھوٹے بھائی ہیں ان سے تقریباً ۱۱ سال چھوٹے ہیں۔ ایک دن میرے تایا نجمؔ آفندی صاحب نے میری امی سے کہا کہ ''آفتاب دلہن'' تمہارے میاں بھی شاعر ہو گئے ہیں اور میرے نزدیک انہوں نے یہ سچ ہی کہا تھا، میرے تایا بہت بڑے شاعر تھے، پاپا کا ان سے کیا مقابلہ، میں ان کو بہت اونچا مقام دیتی ہوں اور ان پہ بڑا فخر کرتی ہوں۔ میرے دادا مرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی بھی صاحب دیوان شاعر تھے اور ان کو ''معراج الشعراء'' کا خطاب بھی ملا تھا میری ایک پھوپھی پروین کجکلاہ بھی شاعرہ تھیں۔ میرے سسر سید فرزند حسن فیض بھرتپوری بھی مرثیہ گو شاعر تھے۔ مگر مجھ سے پوری زندگی میں ایک شعر بھی موزوں نہ ہوا۔ بہر حال اچھے شعروں کی داد دینی ضرور آتی ہے۔ پاپا کے ساتھ کافی مشاعروں میں شرکت بھی کی ہے اور شعر و سخن کی محفلوں میں جانے کا شوق بھی رہا ہے۔ میں نے اپنے شوہر کو کبھی بھی ان کی شاعری کے سلسلے میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کی، بلکہ ہمیشہ مرثیہ کیلئے اصرار کرتی ہوں۔

نجمؔ آفندی نے حیدر آباد دکن میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں کے ولی ریاست معظم جاہ کے شاعری میں استاد تھے، ایک مرتبہ گاڑی میں معظم جاہ کے ساتھ جا رہے تھے جب گاڑی رکی تو نجم

صاحب اپنا دروازہ کھول کر اتر گئے، معظم جاہ نے کہا نجم صاحب کیا آپ میرا دروازہ نہیں کھول سکتے تھے نجم صاحب نے فوراً کمر سے پٹکا کھولا اور کہا کہ میں آپ کا ملازم نہیں ہوں، ناراض ہو کر گھر چلے آئے معظم جاہ بیمار ہوئے اور انہوں نے معافی تلافی کی تب وہ دوبارہ آئے، معظم جاہ کے دربار میں ایک سونے کی مورتی تھی دربار میں سب درباری موجود تھے تو معظم جاہ نے کہا کہ ایک ہاتھ سے جو یہ مورتی اٹھالے گا یہ اس کو دے دی جائے گی نجم صاحب نے وہ اٹھالی، معظم جاہ نے کہا کہ یہ مورتی آپ کی ہوئی، انہوں نے کہا کہ یہ میرے غریب خانے میں کہاں سجے گی یہ آپ کے دربار میں ہی سجے گی اور اسے وہیں چھوڑ کے آگئے۔ بمبئی میں ان کی گولڈن جوبلی منائی گئی اس میں ان کو ڈھائی ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی پیش کی گئی وہ بھی انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور یتیم خانہ کو دے کر چلے آئے نجم صاحب کسی دوسرے شہر مرثیہ پڑھنے گئے تو واپسی پر وہاں کے اہل خانہ نے ایک لفافہ پیش کیا۔ نجم صاحب نے پوچھا کہ یہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ زادراہ ہے نجم صاحب نے کہا کہ آپ نے آنے جانے کا ٹکٹ تو دیا ہے اور ناشتہ دان بھی دیا ہے تو پھر یہ زادراہ کیسی، ایک مولانا نے جو اپنا لفافہ لے چکے تھے نجم صاحب سے کہا کہ رکھ لیجے امام نے شاعروں کو پیسے دیئے ہیں، نجم صاحب نے کہا کہ امام کے ہاتھ سے دلوا دیجئے، میں بھی لے لوں گا، وہ بڑے آن بان والے، خوددار شخص تھے، اپنی مفلوک الحالی میں بھی جھکنا نہیں جانتے تھے۔ بڑے ابا کا یہ وصف مجھ میں بھی سرایت کر گیا ہے میرے پاپا نے پانچ سال فوج میں ایسی جگہ کام کیا جہاں ناجائز آمدنی کے بے حساب امکانات تھے مگر اپنے فرائض ہمیشہ بڑی دیانتداری سے ادا کئے اور کبھی کوئی کام ایسا نہیں کیا کہ کوئی باز پرس کر سکے۔ مجھے پاپا کے بارے میں لکھنے کو کہا گیا تھا مگر یہ میری مجبوری تھی شاید اس لئے کہ اگر میں اپنے ان سب اپنوں کا تذکرہ نہ کرتی تو میری بات مکمل نہ ہوتی میرے پاپا بڑے اچھے اشعار کہتے تھے اور بڑی داد وصول کرتے تھے

وہ حلقہ شعرا میں بڑی عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے وہ بڑے شفیق اور محبت کرنے والے انسان تھے، میری زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جب مجھے امی پاپا یاد نہ آتے ہوں، میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ ان کے درجات میں اضافہ کرے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ویسے بھی یہ دنیا مردہ پرست ہے جب اللہ نعمتوں سے نوازتا ہے تو قدر نہیں ہوتی، پھر پچھتاوے رہ جاتے ہیں۔ جانے والوں کی باتیں تاحیات تارِ عنکوت کی طرح چمٹی رہتی ہیں میرے تینوں بیٹے تینوں بیٹیاں سب بہت اچھے ہیں دونوں بہوئیں، تینوں داماد، سب فرماں بردار ہیں، میں ان سب سے بہت خوش ہوں۔ اس سے پہلے میں نے کبھی قلم نہیں اٹھایا، پہلی کاوش ہے بڑی بے ربط سی تحریر ہے مگر بڑا اچھا لگا ہے، ایسے محسوس ہوا ہے کہ جیسے میں امی پاپا کے درمیان ہوں۔ کاش وقت ٹھہر سکتا، یہ تو بہتے دریا کی مانند ہے جو چپ چاپ بہتا چلا جاتا ہے اور اپنے پیچھے بے شمار یادیں چھوڑ جاتا ہے۔

اپنے پاپا کی بیٹی

چندن

# نعت

ہمارے رہنما آئے ہمارے غمگسار آئے
اور اپنے ساتھ لیکر رحمت پروردگار آئے

خدا کا شکر عالم میں شہِ رَف رَف سوار آئے
نہ کیوں صَلّ علیٰ میری زباں پر بار بار آئے

فرشتے شاداں جن و ملائک مدح خواں ان کے
مدینے والے مکّے والے اپنے تاجدار آئے

خدائی ان کی ہے اور یہ خدا کے خاص بندے ہیں
خدا خود ان کا شیدا ہے نہ کیوں پھر ان پہ پیار آئے

ہم ان کے ہوگئے جب وہ بھی کہدیں گے تمہارے ہیں
ہمارے واسطے پھر کیوں نہ جنت کی بہار آئے

وہ آئے جن کا آنا تھا مناسب باغ عالم میں
وہ آئے جن کے آنے سے زمانہ میں بہار آئے

ہمارے مقتدا آئے یہ عیسیٰ ؑ کی صدا آئی
ہمارے رہنما آئے یہ موسیٰ ؑ بھی پکار آئے

خدا کی کبریائی کے خدائی میں بجے ڈنکے
کئے سجدوں پہ سجدے آپ سے سجدہ گزار آئے

تمنا ہے یہ کوکبؔ کی بوقت مرگ مشکل میں
زباں پر اے خدا نام محمدؐ بار بار آئے

## نعت

حسن یوسف سن چکے ہیں جس کا شہرہ عام ہے
وہ حسیں آتا ہے اب جس کا محمدؐ نام ہے

دونوں عالم ہوگئے روشن ضیائے نور سے
وہ سحر آتی ہے اب معدوم جس کی شام ہے

ہر زباں پر ہے درود اور ہر زباں پر ہے سلام
فخر عالم آگیا جشنِ ولادت عام ہے

وہ شفیع المذنبیں بھیجا ہمارے واسطے
اُس کے رستہ پر چلیں اب یہ ہمارا کام ہے

شب ہوئی پر نور اِن سے دن انہیں سے کامیاب
سب انہیں کا فیض ہے شمس و قمر کا نام ہے

دوست دشمن فیض پاتے ہیں انہیں کا ہے یہ در
رحمت عالم ہیں یہ ان کا کرم ہی عام ہے

پی رہے ہیں آنے والے ہے محبت کی شراب
ساقی مہوش ہے اور گردش میں دور جام ہے

# منقبت کے دو شعر

زمانہ ہوگیا روشن حسنؑ آئے بہار آئی
گھٹا چھائی فلک پر رحمتِ پروردگار آئی

ولادت ہے حسنؑ ابنِ علی کی دھوم ہے اس کی
کھلائے پھول، کلیوں کو ہنسی بے اختیار آ گئی

# سلام

بھوک میں اور پیاس میں شوق شہادت دیکھنا
کربلا والوں کی ہمت اور جرأت دیکھنا

استغاثہ سن کے جھولے میں نہ ٹھہرے گر پڑے
اصغرِ معصوم کا شوقِ شہادت دیکھنا

یہ حسینی کارنامہ اور دنیا کو سبق
یہ ہے طاعت، زیرِ خنجر بھی عبادت دیکھنا

دیتے ہیں حضرت علی اکبر کو مرنے کی رضا
باپ کو بیٹے سے کتنی تھی محبت دیکھنا

ایک ہی حملہ میں جاکر نہر پر قبضہ کیا
اس خدا کے شیر کی بھی شان وشوکت دیکھنا

# سلام

سرخرو جنت میں پہنچا مہر سرور دیکھئے
حر کی قسمت دیکھئے حر کا مقدر دیکھئے

حضرت عباسؑ جب میداں میں آئے غل ہوا
شان و شوکت ہے وہی حیدر کی، تیور دیکھئے

آئے تھے امت کی بخشش کیلئے جھولے سے یہ
تیر کھا کر مسکرائے کیسے اصغرؑ، دیکھئے

حُر نکل کر آ گیا دوزخ سے جنت کی طرف
دیکھتا ہی رہ گیا لشکر کا لشکر، دیکھئے

جان مولا پر فدا کی بھوک میں اور پیاس میں
یہ تھے دل والے، جگر والے، بہتّر دیکھئے

پرچمِ اسلام چمکا سرنگوں باطل ہوا
آج تک ہے ضوفگن دین پیمبر دیکھئے

# سلام

اک زمانہ دنگ ہو معجز نما ایسا تو ہو
کہہ اٹھیں جس کو خدا سب ناخدا ایسا تو ہو

ظلم پر ہو صبر عشق کبریا ایسا تو ہو
سر کو سجدے میں کٹا دے، باخدا ایسا تو ہو

ہوگئی آسان مشکل جب لیا نام علیؑ
مظہر نورِ خدا مُشکل کُشا ایسا تو ہو

ڈوبتے ہی ڈوبتے اسلام کی کشتی بچی
جان دیکر جو بچالے، ناخدا ایسا تو ہو

خیبر و خندق، احدُ، صفّین ہر جا کامیاب
سر کیا ہر جنگ کو، دستِ خدا ایسا تو ہو

سائلِ یک نان کو بخشی اک اونٹوں کی قطار
اس کو کہتے ہیں سخی، دستِ سخا ایسا تو ہو

کردیا پورا علیؑ نے کیسے دشمن کا سوال
جنگ میں جو تیغ دے حَاجت روا ایسا تو ہو

ہوگیا ناری سے نوری الفتِ شبیر میں
حُر کا سرزا نوئے شہ بخت رسا ایسا تو ہو

کردیا آزاد، حُر نے پھر بھی کیسے جان دی
ساتھ دے مشکل میں، عبد باوفا ایسا تو ہو

# سلام

تلوار حق نے بھیجی، تو تلوار کیلئے
حیدرؑ کو منتخب کیا، پیکار کیلئے

یورش ہے ایک، سید ابرار کیلئے
خنجر ہیں تیز، حق کے طرفدار کیلئے

کیا وقت آ پڑا ہے، یہ بیمار کیلئے
آزار اور صاحبِ آزار کیلئے

معراج اس کو کہتے ہیں، ذرّہ ہے آفتاب
زانوئے شاہ حُرِ وفادار کیلئے

شیر خدا کے شیر کو کیا روکتی سپاہ
فوجوں پہ فوجیں آئیں علمدار کیلئے

حوریں ہیں کربلا کے شہیدوں کی منتظر
جنت بھی منتظر ہے خریدار کیلئے

وہ کر گئے اور ہم سے تاسی نہ ہوسکی
گریہ ہی رہ گیا شہ ابرار کیلئے

کوکبؔ کو بھی بلایئے اے شاہِ کربلا
کب حکم ہوگا مجھ سے گنہگار کیلئے

# قومی ترانہ

نئی مے ہے نیا ساغر، نیا عنوان ہے ساقی
اب اپنے میکدے کا نام پاکستان ہے ساقی

ابھی ایسے گئے گزرے نہیں وحدت کے متوالے
ابھی ہاتھوں میں جنبش ہے، بدن میں جان ہے ساقی

نظر آتے ہیں جو ساغر بکف، وہ سربکف ہوں گے
خدا رکھے، سر آنکھوں پر، ترا فرمان ہے ساقی

ترے میکش، زمین و آسماں ہموار کردیں گے
جہاں تو ہے، ترے قدموں میں پاکستان ہے ساقی

یہیں پینا پلانا ہے، یہیں مرنا یہیں گڑنا
یہی میخانہ ہے ساقی، یہی میدان ہے ساقی

کبھی مشکل سے گھبراتے نہیں، مشکل کشا والے
جو مشکل ہے زمانہ کو، ہمیں آسان ہے ساقی

ابھی توحید کی طاقت، کہاں دیکھی ہے دنیا نے
ابھی سے تیرے استقلال، پر حیران ہے ساقی

تری سطوت کے آگے ہیچ ہے پندار جمشیدی
کہ تو اس دور میں، بے تاج کا سلطان ہے ساقی

محبت کا سمندر، بھر دیا ہے ایک کوزے میں
یہ کوکبؔ کا ترانہ، شاعری کی جان ہے ساقی

# غزل

روشنی پھیل گئی، شمع شبستاں نکلا
جان پر بن گئی، جب دید کا ارماں نکلا

ان کی محفل سے ہر اک چاک گریباں نکلا
کوئی گریاں، کوئی خنداں، کوئی حیراں نکلا

دل کے بدلے دیا دل، صاحب ایماں نکلا
میں جسے سمجھا تھا کافر، وہ مسلماں نکلا

دل میں آیا تھا چلا لُوٹ کے دنیا دل کی
اپنا سمجھے ہوئے تھے جس کو، وہ مہماں نکلا

ہوش گم کردیئے، گھر کردیا روشن روشن
مجھ سے کہتے ہیں کہ اب تو ترا ارماں نکلا

سامنا ان سے مرا کون سی منزل پہ ہوا
وہ بھی حیراں ہوئے، اور میں بھی پشیماں نکلا

کیسی ہوتی ہے خوشی، ہوگئی عادت غم کی
دردِ دل سمجھا جسے میں نے وہ درماں نکلا

دیکھ بھی سکتا تھا کیا خالِ رُخِ یار کو میں
وہ محافظ ہی نہیں، حافظ قرآں نکلا

# غزل

عازم ہیں یہاں کے، وہ ارادہ ہے یہاں کا
یہ زور فغاں کے ہیں، اثر ہے یہ فغاں کا

وہ سر کا طلبگار ہے، غیروں کے کہے سے
دشمن یہی جاں کے ہیں وہ خواہاں نہیں جاں کا

کانوں میں جو پہنے ہو، جو زینت ہے گلے کی
یہ پھول کہاں کے ہیں، یہ ہے ہار کہاں کا

زخمی نہ کرے کیوں مجھے ابرو کا اشارہ
قربان کماں کے، یہ ہے تیر ان کی کماں کا

گل چیں کے تو ہاتھ اور تھے وہ رنگِ جفا اور
یہ ہاتھ خزاں کے ہیں یہ ہے رنگ خزاں کا

غافل تجھے دنیا میں ٹھہرنا ہے بہت کم
نقش آبِ رواں کے ہیں، سفر عمر رواں کا

کوکبؔ کا کوئی شعر نہیں لطف سے خالی
انداز بیاں کے ہیں یہ ہے ڈھنگ بیاں کا

# غزل

آنکھوں نے ان کے جلوۂ رخ کا مزہ لیا
سچ پوچھئے تو دیکھنے والے نے کیا لیا

جلوہ دکھاکے رخ کا بتوں نے بہالیا
بندے تو تھے خدا کے پر اپنا بنالیا

پوچھا کچھ ایسے شوق سے ظالم نے حالِ دل
گھبراکے میں نے ضبط سے دامن چھڑالیا

کچھ اور تیز ہوگیا بیتابیوں کا رنگ
اس گل نے دل پہ ہاتھ جو رکھا اٹھالیا

طے دل کے آئینہ کا کرو کچھ معاملہ
سو بار تم نے دیکھ لیا اور دکھالیا

دل میرا چھپ کے لے تو چلا تھا وہ شوخ چشم
لیکن مرے خیال نے فوراً ہی جا لیا

دل دادہ ہوں کسی کا، سبھی کو ہے یہ خبر
ناحق جنوں میں میرا تماشہ بنالیا

مقتل میں اُن کو دیکھ کے اک عید ہوگئی
خنجر کو اُن کے ہم نے گلے سے لگالیا

## قطعہ

تھی ایک شاخِ خشک حقیقت تو کچھ نہ تھی
کاوش سے اپنی، مرتبہ اپنا بڑھالیا

کیسے سخن کے معرکے جیتے بڑے بڑے
تھوڑا سا بھی قلم نے جو میدان پالیا

مدت کے بعد سمجھا ہوں بیتابیوں کا راز
کوکبؔ کسی حسین نے دل کو چرالیا

# غزل

کل مہرباں تھا مجھ پہ، نہ وہ مہرباں ہے آج
لب پر فغاں نہ کل تھی، نہ لب پر فغاں ہے آج

اٹھ جائے اس کا ہاتھ ، خدا سرخرو کرے
سر کو جھکا رہا ہوں، مرا امتحاں ہے آج

جاتا ہے کون، حکم رہائی تو آ گیا
کل تک قفس تھا، مگر آشیاں ہے آج

کس عشق کی نمود تھی دلچسپ و کیف زا
جس کو سبک سمجھتا تھا کوہ گراں ہے آج

ہنسکر بلا رہے ہیں نشانہ بنایئے
ترکش میں تیر، دوش پہ رکھے کماں ہے آج

کوکبؔ وہی وطن تھا کبھی، اب ہے اس کی یاد
اک خواب اور خیال وہ ہندوستاں ہے آج

# غزل

بیمار ہجر سے یہ تغافل روا نہیں
اُس وقت آئے، کچھ بھی جب اس میں بچا نہیں

جادو نگاہِ ناز نے کیا جانے کیا کیا
اس بُت سے آنکھ ملتے ہی دل کا پتہ نہیں

دنیائے دوں پہ لوگ مرے جاتے ہیں عَبَث
عبرت کا یہ مقام ہے، عشرت سرا نہیں

اغیار کے تو مطلبِ دل سب حصول ہیں
اک قابلِ قبول مرا مُدّعا نہیں

خوش ہے وہ باتیں کرکے اشاروں میں غیر سے
ناداں سمجھ رہا ہے، کوئی دیکھتا نہیں

اللہ ری ڈھٹائی صریحاً تو دل لیا
اور پھر یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے لیا نہیں

# غزل

وہ کبھی رحم بھی کرتے ہیں تو کیا کرتے ہیں
اپنے دیوانوں کو مرنے پہ رہا کرتے ہیں

نہیں معلوم کرشمہ یہ وہ کیا کرتے ہیں
پاس رہ کر بھی الگ ہم سے رہا کرتے ہیں

وہ مجھے کوستے ہیں ہاتھ اٹھا کر دن رات
میں سمجھتا ہوں مرے حق میں دعا کرتے ہیں

کم سے کم باغ میں صیاد قفس ہی رکھ دے
موسم گل میں تو بلبل کو رہا کرتے ہیں

سب جفاؤں پہ بھی ہیں تابع فرماں اُن کے
کوئی اُن سے نہیں کہتا کہ وہ کیا کرتے ہیں

نہ تو مرتے ہیں نہ جیتے ہیں تمہارے بیمار
بیم و امید کی حالت میں رہا کرتے ہیں

خود گلا رکھتے ہیں شمشیر پہ شیدا تیرے
بارِ احساں سے سبکدوش رہا کرتے ہیں

کیا کہوں لذّتِ تقریر زباں قاصر ہے
لطف آتا ہے وہ جب جور و جفا کرتے ہیں

شیخ صاحب نہ پیئیں ہم نے تو جائز کرلی
مفت کی پیتے ہیں اور شُکرِ خدا کرتے ہیں

وہی کچھ اچھے ہیں دنیا میں بقول کوکبؔ
صبر اور ضبط سے جو کام لیا کرتے ہیں

# غزل

بندہ کوئی دنیا میں محمدؐ سا ہوا بھی
حد ہوگئی، ہے جس کا خریدار خدا بھی

اس شان کا ہے کوئی محمدؐ کے سوا بھی
دنیا کا بھی مطلوب ہے محبوبِ خدا بھی

عالم کے مسیحا بھی ہو، دنیا کی قضا بھی
اللہ، تُمہیں درد بھی ہو اور دوا بھی

فرقت کا بھی پیغام ہے جینے کی بھی امید
وہ درد بھی دیتے ہیں مجھے اور دوا بھی

وہ آئے جو بیمار محبت کے سرہانے
چپکے سے دبے پاؤں چلی آئی قضا بھی

دل زلف کے پیچوں میں نہ پھنس کر کہیں گھبرائے
ان کوچوں سے، مشکل سے گزرتی ہے ہوا بھی

سمجھا کیا عشاق کی آہوں کو بناوٹ
بے درد تجھے درد کا احساس ہوا بھی

تم آئے، نہ مرنے دیا، آنے نے تمہارے
پھر پھر کے قضا ہوگئی اب ہم سے خفا بھی

بے چھیڑے چھوئے مفت دیئے دیتے ہو پھانسی
دیکھا تھا فقط زلف کو، کچھ میری خطا بھی

وعدہ کا یقین آئے تو کس طرح سے آئے
وعدہ تو کیا کرتے ہو، کرتے ہو وفا بھی

ہر طرح سے محروم ہیں ناکام محبت
مرتے ہیں تو آتی نہیں کم بخت قضا بھی

خاروں کی بھی دعوت کا نہ سامان ہوا کچھ
تقدیر سے یاں خشک ہے خونِ کفِ پا بھی

جب ان کو یہ ضد ہوگئی تجھ سے نہ ملوں گا
اب بابِ اجابت پہ نہ پہنچے گی دعا بھی

ہے طُرفہ تماشہ ترا نیرنگِ تلوّن
عاشق پہ عنایت بھی ہے غصّہ بھی جفا بھی

کوکبؔ طرفِ کعبہ نہ کیوں دَیر سے جاتا
کچھ دن اسے کرنا ہے ابھی یاد خدا بھی

# غزل

آنے لگے وہ خواب میں فرقت نہیں رہی
صد شکر رات کی تو مصیبت نہیں رہی

رنگ بہار آ گیا جب باغ میں وہ آئے
بدلی ہوئی خزاں کی وہ حالت نہیں رہی

لائے حیا کو ساتھ بڑی دھوم دھام سے
تنہائی میں بھی آئے تو خلوت نہیں رہی

اپنا ہی دل جب اپنے سے بیگانہ ہوگیا
اب دوستوں سے کوئی شکایت نہیں رہی

فرقت کے غم نے رنگِ جوانی بدل دیا
کیا دیکھیں آئینہ کہ وہ صورت نہیں رہی

موسیٰ کو کوہ طور پہ غش آگیا تو کیا
دیدارِ دوست ہوگیا حسرت نہیں رہی

شہ رگ کے پاس رہ کے بھی وہ ہم سے دور ہیں
اتنے قریب ہوکے بھی قربت نہیں رہی

بدتر ہے قید سے جو رہائی بھی اب ملے
پرواز کی بھی مجھ میں تو قوت نہیں رہی

وہ جوشِ قلب کیا ہوا افسردہ دل ہو کیوں
کوکبؔ تمہاری پہلی سی حالت نہیں رہی

# غزل

دیکھنے کو آنکھ ہے ساری خدائی کیلئے
ایک تل اتنا سا اور اتنی سمائی کیلئے

ان حسینانِ جہاں کا اک یہی استاد ہے
آئینہ ہی آئینہ ہے خود نمائی کیلئے

نالہ اپنا بے اثر ہر آہ بے تاثیر ہے
کیا کریں تدبیر قسمت کی رسائی کیلئے

خیر سے دم بھر کو وہ پردے سے باہر آئیں تو
لاتے ہیں آئینۂ دل رونمائی کیلئے

کُشتۂ شمشیرِ فرقت کو بلاتے کیوں نہیں
کیا کوئی وقت اور ہے معجز نمائی کیلئے

سنتے ہیں زلفیں بھی ان کے، کان اب بھرنے لگیں
غیر کیا کم تھے لگائی اور بجھائی کیلئے

پھر تو یہ باب اجابت تک پہنچ جائے ضرور
پر ملیں مرغِ دعا کو گر رسائی کیلئے

تم تو پتھر تھے بتو، یہ بھید کچھ کھلتا نہیں
پھر خدا کیسے بنے ساری خدائی کیلئے

تاب نظارہ نہ تھی موسیٰ تو مجھ سے مانگتے
میری آنکھیں ان کے جلوے کی سمائی کیلئے

کیا تماشہ ہے کہ پھر دونوں کا ہے مقسوم ایک
دل ہے گو ملنے کو اور آنکھیں لڑائی کیلئے

وائے ناکامی نہ پہنچا ہاتھ کوکبؔ یار تک
منتیں درباں کی کیں حاجت روائی کیلئے

# غزل

نظر ملا کے یہ کیسی نظر چرائی ہے
اسی کا آپ سے جھگڑا یہی لڑائی ہے

اُمیدِ وصل شبِ ہجر ساتھ لائی ہے
خزاں کے بھیس میں شاید بہار آئی ہے

خفا ادھر ہیں وہ، دشمن اِدھر خدائی ہے
سزا یہ دل کے لگانے کی ہم نے پائی ہے

زمانہ گوش بر آواز ہے، میں ہوں خاموش
یہ تیرا راز ہے اور آہ لب تک آئی ہے

جنوں میں کہہ تو دیا ہم نے حالِ دل ان سے
بس ایک بات یہی عشق میں بن آئی ہے

وفا کا نام بھی لے لیگا بے وفا میرا
کسے بتاؤں کہ کیا دل پہ چوٹ کھائی ہے

کیا تھا آنے کا وعدہ مگر نہیں آئے
انہی کی بھیجی ہوئی ہے قضا تو آئی ہے

یہ حُسن و عشق کا معیار ہے معاذ اللہ
اکیلے ہم ہیں اِدھر اُس طرف خدائی ہے

چمن میں جانے کو جی چاہتا نہیں میرا
قفس کی آب و ہوا ایسی راس آئی ہے

چلو اڑاؤ بھی بوتل کا کاگ اے کوکبؔ
اب انتظار ہے کیسا گھٹا بھی چھائی ہے

# غزل

جب کہا میں نے کوئی وصل کی تدبیر بھی ہے
ہنس کے فرمایا کہ ایسی تری تقدیر بھی ہے

اتنے حربے ہوں تو کس کس سے بچے عاشق زار
غمزہ و ناز بھی ہیں، تیر بھی شمشیر بھی ہے

نہ سمجھ مجھ کو چراغ سحری پیر فلک
میں بھی باقی ہوں ابھی آہ میں تاثیر بھی ہے

دل سے یہ دونوں چلے جائیں تو خلوت ہوجائے
حسرت دیاس بھی ہے اور تری تصویر بھی ہے

دل عاشق کا اڑاتا ہے نشانہ کیے
تیرے ترکش میں کماندار، کوئی تیر بھی ہے

خواب غفلت میں یہ جانا تھا کہ آزاد ہیں ہم
آنکھ کھلتے ہی کھلا، پاؤں میں زنجیر بھی ہے

میں نے وعدہ جو انہیں یاد دلایا تو کہا
آپ کے پاس ہماری کوئی تحریر بھی ہے

میری قسمت میں حسینوں کی جفائیں لکھ دیں
خط تقدیر میں کچھ شوخی تحریر بھی ہے

میں تو سمجھا تھا انہیں دیکھ کے چین آئے گا
وہی آہیں ہیں وہی نالۂ شب گیر بھی ہے

اپنی قسمت پہ مجھے ناز نہ ہو کیوں کوکبؔ
چاندنی رات بھی ہے وہ بت بے پیر بھی ہے

# غزل

ہمیشہ ہم تو ہیں موجود، دوبدو کیلئے
کبھی رقیب بڑھیں بھی تو گفتگو کیلئے

یہ نور حسن کی ہے اس کے گرم بازاری
جلے ہیں لاکھوں ہی دل ایک شمع رو کیلئے

کوئی نہیں ہے یہاں، دل میں بے دھڑک آجاؤ
اگر ہو گوشہ کوئی دل میں گفتگو کیلئے

نفیس طبع ہے رنگیں خیال ہوں ساقی
گلابی رنگ کی مے ہو مرے سبو کیلئے

جو چاہتے ہو کہ اغیار کی نظر نہ لگے
تو میرے دل کا ہو تعویذ اس گلو کیلئے

تمہاری تیغ چلے گی کہیں نہ غیروں پر
کہ وقت ہے یہ مرے کوچہ گلو کیلئے

یہ وہ ہے فتنہ دوراں قیامت آجائے
جو مہر حشر ہو جگنو ترے گلو کیلئے

چھوا جو زلف کو میں نے تو بولے بل کھا کر
یہ ہاتھ بھر کی ہے رسی ترے گلو کیلئے

ہر اک مقام پر اہل کمال ہیں کوکبؔ
نہیں یہ خاص شرف صرف لکھنؤ کیلئے

# غزل

یکجا ہی وصف گیسو و رخسار چاہیے
مل جائیں صبح و شام یہ اک بار چاہیے

وحشی کو اس کے لذّتِ آزار چاہیے
گرد آوری کو وادیِ پُرخار چاہیے

سب آبلے ہیں مُشک بدوش اپنے پاؤں کے
اب ہم کو سیر وادی پرخار چاہیے

جی میں ہے ان کو ذکر عدو کرکے چھیڑیے
کچھ دیر لطف آئے گا تکرار چاہیے

زیرِ زمیں تو جاکے سبھی چین پائیں گے
آرام زیرِ گنبدِ دوّار چاہیے

مشہورِ خلق نیم رضا خامشی ہے گو
ہم کو تو اس زبان سے اقرار چاہیے

کیوں طالبان دید کو دکھلائیں اپنی شکل
ان کو تو شور و غل پس دیوار چاہیئے

اے بت خدا کے سامنے آئیں گے حشر میں
ہم کو تو فیصلہ سر دربار چاہیئے

لطف ستم اٹھائیں گے کیا اک خدنگ کے
ہم پر حضور تیروں کی بوچھار چاہیئے

کوکبؔ پہ وقتِ فیصلہ رحمت کی ہو نظر
جو کچھ ہو دیکھ بھال کے سرکار چاہیئے

# غزل

اک وار میں اڑا کے وہ عاشق کا سر گئے
کیا دم کے دم میں لاکھ کا گھر خاک کر گئے

دل اور جگر کے جاتے ہی بے موت مر گئے
وہ اک نگاہ ناز میں سب کام کر گئے

پیری کی صبح آتے ہی کیا اوس پڑ گئی
جو ولولے شباب میں تھے وہ کدھر گئے

ہیں زندگی کے ساتھ بکھیڑے ہزارہا
اچھے وہی رہے جو جہاں سے گزر گئے

بعد فنا انہیں کے شکستہ مزار ہیں
جو ناامید ہو کے جہاں سے گزر گئے

ذکر رقیب ختم بھی کیجیے گا یا نہیں
یہ مدح سنتے سنتے میرے کان بھر گئے

ہنس کر کبھی تو پوچھتے کیسا ہے حال زار
کتنے اسی امید میں بے چارے مر گئے

شوخی تو دیکھو آپ ہی لی عاشقوں کی جان
پھر خود ہی پوچھتے ہیں یہ سب کیسے مر گئے

کم بخت نے بناؤ نہ بننے دیا کہیں
تقدیر بد بھی ساتھ گئی ہم جدھر گئے

کچھ شعر بھی نہ تھے جو ہوا حاسدوں کو رنج
کوکبؔ غزل کے پڑھتے ہی چہرے اتر گئے

# غزل

مرجاؤں تو فرقت کا تو پیغام نہ آئے
ہو ایسی سحر جس کی کبھی شام نہ آئے

سب دیکھنے آئے وہ لب بام نہ آئے
دل جن کو دیا ہم نے وہی کام نہ آئے

قاصد ستم و جور کے ان کے ہیں یہ قصے
پردے میں سنا دینا مرا نام نہ آئے

مدہوش ہوں ساقی کی نظر دیکھ رہا ہوں
اے پیر مغاں میری طرف جام نہ آئے

کیا چھوٹ بھی سکتے ہیں گرفتار محبت
جب حسن کی سرکار سے احکام نہ آئے

بدنام وہ ہوجائیں گے کیوں وعدہ ہو جھوٹا
آجائے قضا ان پہ تو الزام نہ آئے

ہم عشق کے بندے ہیں یہ معلوم ہے ان کو
اب آہ بھی لب پر دل ناکام نہ آئے

یہ عشق کی ہے آگ بھڑک جائیں گے شعلے
دامن کی ہوا دو بھی تو آرام نہ آئے

ہو پختگی عشق، فنا میں بھی بقا ہے
اب دل میں ہمارے ہوس خام نہ آئے

ہے سب کی نظر مجھ پہ انہیں کی ہے نوازش
کوکبؔ کہیں اب گردش ایام نہ آئے

# غزل

امید نہیں چرخ ستم گار کے ہوتے
بر آئیں مرادیں مری، اغیار کے ہوتے

نظارہ سے غیروں کے جو فرصت انہیں ملتی
احسان ہزاروں نگہِ یار کے ہوتے

مہندی کا بہانہ نہیں کرتے، چلے آتے
سچے مری جاں آپ جو اقرار کے ہوتے

پھرتے نہ بھٹکتے ہوئے یوں طالبِ دیدار
روزن جو کھلے آپ کی دیوار کے ہوتے

یہ بھی ہے لڑکپن کہ مٹے جاتے ہو کوکبؔ
کیوں کر تمہیں چاہیں گے وہ اغیار کے ہوتے

# غزل

وہ تو بیٹھا قتل کرنے کیلئے دل سے مجھے
سخت جانی نے کیا شرمندہ قاتل سے مجھے

اب ہے کیا امید اس زہرہ شمائل سے مجھے
دل میں گر رکھتا، اٹھاتا پھر نہ محفل سے مجھے

ناتوانی دور ہی رکھے گی منزل سے مجھے
ہاتھ کیا آئے گا اس تحصیل حاصل سے مجھے

اتنے دھوکے کھائے راہ عشق میں گم ہوگیا
دور ہی رہنا پڑے گا اب تو منزل سے مجھے

راہ الفت میں ہوا رہبر کسی کا نقش پا
دور گو تقدیر نے پھینکا تھا منزل سے مجھے

ناتوانی کس طرح پہنچوں گا کوئے یار تک
تو نے تو بٹھلادیا ہے دور منزل سے مجھے

کم سے کم وہ دفن کرتے ہم کو کوئے یار میں
لے گئے احباب اتنی دور منزل سے مجھے

کعبہ و بت خانہ دونوں ہیں نظر میں میری ایک
عشق کا بندہ ہوں، مطلب حق و باطل سے مجھے

مے کے پینے کو کہا جب ان سے کچھ چپ ہوگئے
شیخ جی اب تو نظر آتے ہیں ڈھل مل سے مجھے

شمع پروانے سے سیکھا عشق میں سوز و گداز
دو سبق حاصل ہوئے یہ ان کی محفل سے مجھے

یار کی تصویر اب اس میں نظر آتی نہیں
یوں کدورت ہوگئی آئینہ دل سے مجھے

ان کے تیر آئے جو مہماں میزبانی خوب کی
پھر محبت کیوں نہ ہو جاتی بھلا دل سے مجھے

اب اسی میں دیکھ لیتا ہوں میں جلوہ یار کا
خوب یہ پہلو ملا آئینہ دل سے مجھے

دیر و کعبہ میں نہ کوکبؔ عرش پر ہیں وہ مقیم
کچھ اگر ان کا پتہ ملتا ہے تو دل سے مجھے

# غزل

نہ ہوتی تاب، بے پردہ جو تم انجان ہوجاتے
ابھی سب جان دے دیتے ابھی قربان ہوجائے

نہ موسیٰ کی طرح اپنے خطا اوسان ہوجاتے
ترا جلوہ اگر ہم دیکھتے قربان ہوجاتے

پری ہو حور ہو ہم نے یہ مانا ہم بھی کچھ کہتے
ہمارے واسطے دم بھر کو گر انسان ہوجاتے

کیا یوں ضبط نالہ ان کی رسوائی سے ڈرتا تھا
مری آہوں سے دیواروں میں روشندان ہوجاتے

انہیں کے پَر توِ عارض کی ہے کونین میں رونق
جو یہ جلوہ نہ ہوتا دو جہاں ویران ہوجاتے

مرے نالوں سے جلتے ہیں عدو کچھ بس نہیں چلتا
جو بس چلتا تو میرے حلق کے دربان ہوجاتے

محبت میں بتوں کی ہم کو کافر کہہ نہ اے زاہد
کہ ہم کافر اگر ہوتے تو بالاعلان ہوجاتے

اگر ہم صبر سے کچھ کام لیتے عشق و الفت میں
ہمارے مدعا کے غیب سے سامان ہوجاتے

عدو کو جھانکنے بھی تو نہ دیتے دخل کیا شے ہے
کہیں تقدیر سے ان کے جو ہم دربان ہوجاتے

قیامت گر تری رفتار سے ڈر کر نہ چھپ جاتی
قیامت کے تری رفتار سے سامان ہوجاتے

ہوا کوکبؔ بھی رسوا تم بھی رسوا ہوگئے آخر
بھری محفل میں جھگڑا کیوں کیا، انجان ہوجاتے

# غزل

جو تیری مہربانی مجھ پہ او ظالم حسیں ہوتی
دل حسرت زدہ میں چھینٹ بھی غم کی نہیں ہوتی

جو مجھ پر مہر و الفت کی نظر اے نازنیں ہوتی
یہ بیتابی یہ پھڑکن اور یہ بے چینی نہیں ہوتی

نہیں جینے کی کچھ بھی آس اب بیمار ہجراں کی
تسلی چارہ فرمادیتے ہیں تسکیں نہیں ہوتی

میں وہ جانبازِ الفت ہوں جو وقتِ قتل آجاتا
لبِ شمشیر سے پیدا صدائے آفریں ہوتی

یہ حسرت تھی کہ میں راہ محبت سر سے طے کرتا
کسی کے سنگ در کے واسطے میری جبیں ہوتی

بناوٹ جان کر اس کو زیادہ وہ بھڑکتے ہیں
کمی غصہ میں رونے سے بھی میرے واں نہیں ہوتی

نگہہ کے وار اوچھے ہیں کچھ ان سے دل نہیں بھرتا
تلا اک ہاتھ مارو تیغ کا، سیری نہیں ہوتی

زمانہ بھر پہ الطاف و کرم ہیں اے وفا دشمن
مگر تیری عنایت کی نظر مجھ پر نہیں ہوتی

کسی کی اک نظر نے دل جگر کو کردیا زخمی
نہیں معلوم کیا ہوتا جو چشم سُرمگیں ہوتی

مریض عشق مرتا ہے جلالو آن کر اب تو
کسی کروٹ کسی پہلو اسے تسکیں نہیں ہوتی

کبھی کا ہجر کے رنج و الم میں جان دے دیتا
میسر تیرے کوچہ میں اگر دو گز زمیں ہوتی

خبر مرگ عدو کی سن کے کیوں مغموم بیٹھے ہو
خوشی کا دن ہے اور پھر بھی خوشی تم کو نہیں ہوتی

محبت کا یقیں ان کو نہیں آتا نہیں آتا
ہماری آرزو پوری، نہیں ہوتی نہیں ہوتی

چلے آتے ہیں دل میں قافلے ارمان و حسرت کے
یہ وہ آئینہ ہے اس میں تو تصویرِ حسیں ہوتی

تمہیں میں کیا دکھاؤں کس طرح تم کو یقیں آئے
محبت دل سے ہوتی ہے دکھانے کی نہیں ہوتی

جنوں میں ان سے دو دو ہاتھ ہوجاتے تو لطف آتا
پھٹا میرا گریباں چاک ان کی آستیں ہوتی

عجب مشکل میں ہوں دل ان کے دل میں کس طرح ڈالوں
مجھے ان سے محبت ہے انہیں مجھ سے نہیں ہوتی

بہت جاتے ہو اس محفل میں لیکن وہ نہیں ملتا
تمہاری آرزو کوکبؔ کبھی پوری نہیں ہوتی

# غزل

فصل گل ہے باغ میں ہم کو مگر صیّاد رکھ
غم نہیں کچھ خانہ زِنداں کو تو آباد رکھ

روز و شب ہم پر ستمگر اک نئی بیداد رکھ
سب گوارا ہے خوشی سے پر ہماری یاد رکھ

نالے سن سن کر مرے اتنا ہوا ان پر اثر
ڈر کے کہتے ہیں وہ، چپ اپنے لب فریاد رکھ

خانہ دل کی ہمارے ہم کو اے بت فکر کیا
گھر تو تیرا ہے، بنا اس کو، ویا برباد رکھ

لطف سے خالی نہیں ہے، ظلم بھی معشوق کا
ہم تو خوش ہیں اس میں بھی ظالم ہمیں ناشاد رکھ

کیوں گھلا جاتا ہے کوکبؔ وہ تو آئیں گے ضرور
صبر کر تھوڑا سا دل کو اپنے ہر دم شاد رکھ

# غزل

اٹھے جب عشق کی لذت، دل اس ظالم پہ آیا ہو
جہاں ہو کھیل مرنا، رقص بسمل اک تماشا ہو

گلستاں ہو شرابِ ناب ہو، معشوق تنہا ہو
اسی کے قلب سے پوچھو یہ منظر جس نے دیکھا ہو

بھلا اس سادگی پر اک زمانہ کیوں نہ شیدا ہو
مجھی سے کہتے ہیں، خوں میرے دل کا کرکے، اب کیا ہو

نزاکت کا نہ کیوں ہو خاتمہ اُس شوخ و کمسن پر
اگر دستِ تصور سے بھی چھولیں رنگ میلا ہو

ہمارے خون دل سے اب ملالے جس کا جی چاہے
جمے ہیں رنگ دونوں ہی کے مہندی ہو کہ لاکھا ہو

اشاروں سے بلاتے ہو ادا سے قتل کرتے ہو
نئے انداز کے معشوق ہو اچھے مسیحا ہو

کمر کا وصف ہو جب کوئی باریکی اگر نکلے
دہن کا جب لکھوں مضموں جو کوئی بات پیدا ہو

جو یہ کہتا ہو، تم پر جان جاتی ہے تو کہتے ہیں
کہیں مر بھی چکو، جلدی کہیں فیصل یہ جھگڑا ہو

یہی دنیا میں کوکبؔ کامیابی کا طریقہ ہے
وہی رفتار لازم ہے زمانہ جس پہ چلتا ہو

# غزل

اگرچہ تیغ ادا کے ہیں اوچھے وار نہیں
مگر یہ غم ہے کوئی چوٹ یادگار نہیں

ضیائے شمع نہ پروانہ اور نہ چادرِ گُل
یہ بے کسی ہے کہ کوئی سر مزار نہیں

تم امتحان تو لیتے ہو سخت جانی کا
سمجھ لو تیغ نہیں یا یہ جانِ زار نہیں

لگائی چوٹ کسی برق وَش نے وہ دل پر
کہ آیا زیرِ زمیں بھی مجھے قرار نہیں

مصیبتوں سے جو ہاتھ آئے اس کی ہوتی ہے قدر
مزا ہی وصل کا کیا ہے جو انتظار نہیں

جبھی وہ مرقد عشاق پر نہیں آتے
کہ فاتحہ کے بھی قابل مرا مزار نہیں

میں تیرا سوختہ جاں ہوں مثال پروانہ
بنے گا بعد فنا شمع رو، مزار نہیں

انہیں تو یاد یہی ہر سوال کا ہے جواب
ہزار بار نہیں اور لاکھ بار نہیں

یہ ان سے پوچھے کوئی، بولتے ہیں کیوں اس سے
جو ان کو بات کا کوکبؔ کی اعتبار نہیں

# غزل

عارف کوئی حضور کا میرے سوا نہیں
جتنا میں جانتا ہوں کوئی جانتا نہیں

طول شب فراق کی کچھ انتہا نہیں
آخر ہے رات اور سحر کا پتہ نہیں

یاں کچھ کسی کی عقل کا جادو چلا نہیں
انساں کے دم کا کھیل بگڑ کر بنا نہیں

چونکا دیا غشی نے جناب کلیم کی
دیدار دیکھنے کا بس اب حوصلہ نہیں

ہم پلہ ناز کی سے رہی میری لاغری
اک بال بھی میں ان کی کمر سے گھٹا نہیں

پھر کھینچتا ہے اہلِ سماعت کے قلب کون
پردے میں ساز کے اگر ان کی صدا نہیں

جس کو بھی دیکھئے وہ اِنہیں کا ہے کلمہ گو
پھر کیا ہے اِن بتوں میں جو شان خدا نہیں

پوشیدہ کیوں نظر سے زمانے کی ہوگیا
ان کا دہن جو چشمہ آب بقا نہیں

ملک عدم کے قافلہ کا کیا پتہ چلے
نقش قدم نہیں ہیں صدائے درا نہیں

اک بے وفا حسین پہ کیوں کر جمے گا رنگ
میرے ہی دل پہ جب مجھے قابو ذرا نہیں

لاکھوں ہیں کیا عدم کے بھی جانے کے راستے
ملتا جو قافلہ سے کوئی قافلہ نہیں

شوخی تو دیکھئے مرا دل توڑ تاڑ کے
کہتے ہیں پھیرلو، یہ مرے کام کا نہیں

کوکبؔ تو ابتدا ہی سے کہتا ہے شعر صاف
کیا خوش ہوں وہ زبان کا جن کو مزا نہیں

# غزل

رہا اب تا ابد سودا شہادت کا مرے سر میں
چلے شہ رگ پہ اتنا دم کہاں ہے تیرے خنجر میں

توجہ کی نظر رکھنا بدل جانا نہ دم بھر میں
بڑا جلسہ ہے شرمندہ نہ کرنا مجھ کو محشر میں

ذرا تیر نظر آئے تو میرے قیدِ منظر میں
ذرا دیکھو تو کیا سے کیا ہوا جاتا ہے دم بھر میں

ہمیں بیٹھے رہے اک ہاتھ خالی انجمن بھر میں
ہمیں کو اے فلک محروم رکھا دور ساغر میں

خلش ہی درد کی ویرانی و حسرت کا منظر تھی
بیاباں ہی بیاباں کا مزا آنے لگا گھر میں

جب اس بت کی طرف میں دیکھتا ہوں قلب کھنچتا ہے
بلا کی دل فریبی اور دلچسپی ہے پتھر میں

مری آوارہ گردی کا سبب ہے عشق مہ رویاں
فلک کیا ڈالتا چکر میں ظالم خود ہے چکر میں

اثر نے حال سوز دل کے بال و پر جلا ڈالے
جو باندھا نامہ عاشق کو بازوئے کبوتر میں

محبت میں نہ تھی کچھ قیس سے کم حالت لیلیٰ
کہ وہ بیتاب تھا صحرا میں یہ بے چین تھی گھر میں

حسینانِ زمانہ میں جو الفت ہو تو تجھ سے ہو
جو سودا ہی ہو اے ظالم ، تو تیری زلف کا سر میں

ہماری خاک جنگل میں بگولہ بن کے پھرتی ہے
فلک نے بعد مرنے کے بھی رکھا مجھ کو چکر میں

ہمارے چشم و دل دونوں میں ان کی ہیں گزرگاہیں
کبھی رہتے ہیں اس گھر میں کبھی رہتے ہیں اس گھر میں

زباں سے اب تو کہتے ہو تمہارا ہوں تمہارا ہوں
تمہارا حال ہی کیا ہے بدل جاتے ہو دم بھر میں

کرے انسان کوشش لاکھ کچھ بھی ہو نہیں سکتا
وہی پیش آئے گا کوکبؔ جو لکھا ہے مقدر میں

# غزل

کرتے ہو جفا مجھ پہ تو رہنا بھی خبردار
آہیں ہیں فلک رس مرے نالے ہیں اثر دار

فرقت میں گلا گھونٹ کے بھی مر نہ سکے آہ
غیرت نے صدا دی کہ خبردار خبردار

آزاد کبھی ہوں گے کہ قیدی ہی رہیں گے
صیاد قفس میں جو گرفتار ہیں پردار

اب روتے ہیں فرقت میں، کبھی ہنستے تھے ہم پر
دل ہاتھ سے کیوں دے دیا، کیسے تھے جگر دار

وہ زخم جگر دیکھ کے بھی داد نہ دیں گے
نظروں سے گرا دیتے ہیں ایسے ہیں نظر وار

کوئی نہ چڑھا یار کی شمشیر کے منہ پر
جی چھوٹ گئے ان کے بڑے تھے جو جگر دار

کوکبؔ تو دعا دیتا ہے ان کو سحر و شام
کیا کہتے ہیں جا جاکے، نہ معلوم خبردار

# غزل

جنبشِ ابرو سے دو ٹکڑے کلیجہ کردیا
آپ کے اس نیمچہ نے کام پورا کردیا

جس طرح تم نے در ظلم و ستم وا کردیا
اس طرح وعدہ کوئی اپنا نہ پورا کردیا

سیر گلشن کیلئے آیا جو وہ غنچہ دہن
سرخی لب نے گلوں کا رنگ پھیکا کردیا

اب کہوں حال دل رنجور کس امید پر
آپ نے کس وقت، کس دن میرا کہنا کردیا

تو سلامت رہ ترا دم بھی غنیمت ہے جنوں
بستیاں برباد کیں آباد صحرا کردیا

دوست بھی اب تو نہیں پہچانتے صورت مری
آپ کی فرقت نے دو دن میں یہ نقشہ کردیا

صرف دعویٰ ہی مسیحائی کا تھا بندہ نواز
ورنہ کیوں بیمار الفت کو نہ اچھا کردیا

دے کے مے اغیار کو ایسی لگائی ایک چوٹ
شیشہ دل کا مرے ظالم نے چورا کردیا

فکرِ آزادی کہاں موقع ابھی اس کا نہیں
قید تنہائی نے ایسا لطف پیدا کردیا

جس کو دیکھو بھر رہا ہے دم تمہاری دید کا
طور پر دکھلا کے اپنی شکل، یہ کیا کردیا

بے خطا ظلم و ستم پر آپ نے باندھی کمر
کیا غضب ڈھایا جو اظہارِ تمنا کردیا

ناز کی تیغیں تلیں چھریاں اداؤں کی چلیں
حسن کی سب فوج نے اک دل پہ دھاوا کردیا

داد کیا فریاد کیسی خوش ہوں میں ہر حال میں
اس ستمگر نے مرے حق میں جو چاہا کردیا

مرکے پائی آفت و رنج و مصیبت سے نجات
قتل مجھ کو کیا کیا، ظالم نے زندہ کردیا

اس سے پہلے تو بہت کوکبؔ کی حالت غیر تھی
اے مسیحا تو نے تو آتے ہی اچھا کردیا

# غزل

ہیں مشتاق ہم اک نظر دیکھ لینا
ادھر جانے والے اِدھر دیکھ لینا

تہہِ تیغ مقتل میں سر دیکھا لینا
ہمارا بھی اے جاں جگر دیکھ لینا

بہت جاتے ہیں میکدہ شیخ صاحب
کسی دن انہیں ننگے سر دیکھ لینا

مرے دل میں آؤ تو نسخہ بتاؤں
نہ ہوگا کبھی درد سر دیکھ لینا

محبت میں جب تک رہو گے بتوں کی
نہ جائے گا یہ درد سر دیکھ لینا

یہ ہلچل مچے گی کہ ہوگی قیامت
وہ آئیں گے باندھے کمر دیکھ لینا

مجھے قتل کرکے جو اٹھتے ہو اے جاں
کسی کی لگے گی نظر دیکھ لینا

دھن کا ارادہ جو ہے دل میں کوکبؔ
مبارک یہ ہوگا سفر دیکھ لینا

# غزل

کھلا اب حال آئینہ کی یکطرفہ صفائی کا
کہ آلہ اس کو بننا تھا غرور و خود نمائی کا

حسیں ناآشنا ہیں کیا مزہ ہے آشنائی کا
یہ ظالم ملتے ہی پیغام دیتے ہیں جدائی کا

جنہیں پتھر سمجھتے تھے عروج اتنا ہوا ان کو
خدا کی شان بت کرنے لگے دعویٰ خدائی کا

بظاہر گر نہیں ملتے تصور ہی میں آجاؤ
نہیں نقصان کچھ اس میں تمہاری پارسائی کا

لب شیریں کے بوسوں پر نہ ٹپکے رال کیوں ان کی
نمک خواروں کو چسکا پڑگیا ہے اس مٹھائی کا

یہ پتھر ان کے دل پتھر وفا کرنا یہ کیا جانیں
عبث شکوہ ہے ہمدم ان بتوں کی بے وفائی کا

چھپے تو لاکھ، ہم تو دیکھ لیتے ہیں تصور میں
اسی صورت سے ملتا ہے مزہ یاں آشنائی کا

نہیں ملتا میں تم سے، بات سیدھی کیوں نہیں کہتے
برا پڑتا ہے دل پر تیر ان کی کج ادائی کا

شکایت غیر کی کوئی کرے کس طرح اے کوکبؔ
یہ ایسا وقت ہے دشمن ہے بھائی بھی تو بھائی کا

# غزل

دُھن اپنے مکاں کی ہے، تو رُخ میرے مکاں کا
ہے فکر کہاں کی انہیں، ہے قصد کہاں کا

دل اس نگہہ ناز کے ہوتے ہوئے توڑے
طاقت یہ سناں کی ہے، یہ بوتا ہے سناں کا

سرگرمِ جفا وہ ہیں، میں سرگرم وفا ہوں
پچ ان کو زباں کی ہے مجھے پاس زباں کا

اب شیخ کی تحویل میں ساغر بھی ہے مے بھی
یہ پیر مغاں کی ہے نہ وہ پیر مغاں کا

گھر اس بت کافر کا ہو، یا اس کی گلی ہو
تصویر جناں کی ہے مرقع ہے جناں کا

برچھی ہو کلیجے پہ تو تیر آئے سوئے دل
یہ چوٹ یہاں کی ہے یہ حصہ ہے یہاں کا

یہ آگرہ و لکھنؤ میں فرق ہے کوکبؔ
وہ طرز بیاں کی کہیں، ہم طرز بیاں کا

# غزل

نہ کیوں شکوہ کروں تجھ سے فلک اپنے مقدر کا
بندھا تھا جس میں نامہ گرگیا وہ پر کبوتر کا

خدا کے واسطے قاتل مٹا جھگڑا تن و سر کا
رہے گا میری گردن پر یہ احساں تیرے خنجر کا

شب فرقت اگر اس ماہرو کے غم میں روتا ہوں
مرے ہر ایک آنسو پر گماں ہوتا ہے اختر کا

نہ جی بھر کے بجھائی پیاس تو نے اپنے قاتل کی
کہ پیاسا رہ گیا افسوس پیکاں آب خنجر کا

یہ ظاہر ہے زمانے پر کہ کوکبؔ بوترابی ہے
اسے کیا خوف مرقد کا اسے کیا ڈر ہے محشر کا

# غزل

ہر ایک کو دعویٰ تو ہے پر کس کیلئے ہے
سب اُس کے ہیں وہ رشک قمر کیلئے ہے

پردے سے نکل آیئے دکھلایئے جلوہ
مشتاق ہیں ہم برقِ نظر کس کیلئے ہے

دل لے کے جو جاتی ہے پلٹ کر نہیں آتی
وہ آپ کی دُزدیدہ نظر کس کیلئے ہے

کہلاؤں میں تیرا تو بنالے مجھے اپنا
بتلادے وہ انداز نظر کس کیلئے ہے

تم جانتے ہو تم کو تو معلوم ہے سب کچھ
بیتاب یہ دنیا کی نظر کس کیلئے ہے

کون آتا ہے یہ کس کی ہے آمد کا تلاطم
دنیا بھی تو یہ زیر و زبر کس کیلئے ہے

تم آتے نہیں موت بھی آتی نہیں مجھ کو
کیا جانے دعاؤں کا اثر کس کیلئے ہے

کہہ تو دیا ، جو کچھ ہے تمہارا ہے تمہارا
دل کس کیلئے اور جگر کس کیلئے ہے

مجھ پر نہیں موقوف تڑپتا ہے زمانہ
اللہ وہ مخصوص نظر کس کیلئے ہے

کیا قہر ہے کیوں دیکھنے پاتا نہیں کوئی
پھر آپ کی الفت کی نظر کس کیلئے ہے

بیگانگی اور دربدری اچھی نہیں ہے
اب گھر ہی چلے آؤ یہ گھر کس کیلئے ہے

# غزل

کافر سے گلہ ہے نہ مسلماں سے گلہ ہے
جو کچھ بھی ہے وہ اپنے ہی ایماں سے گلہ ہے

مدہوش رکھا کیوں دل ناداں سے گلہ ہے
ہوش آیا تو اب عمر گریزاں سے گلہ ہے

تنکے بھی نشیمن کے نہ پھونکے گئے اس سے
اس برق سے اس سوختہ ساماں سے گلہ ہے

سیراب نظر ہوتا تو کچھ بات ہی بنتی
روپوش ہوا جلوۂ جاناں سے گلہ ہے

پروانوں کو تو پھونک دیا ہم کو جلایا
جیتے رہے ہم شمع شبستاں سے گلہ ہے

یوں جلوہ فگن ہو کے بھی کچھ کام نہ آیا
اے حسن تری تنگیٔ داماں سے گلہ ہے

بدلی جو روش اس نے نہیں کوئی شکایت
کوکبؔ کو تو نیرنگیٔ دوراں سے گلہ ہے

# غزل

کہتا ہوں وہ بت خدا نہیں ہے
پر دل ہے کہ مانتا نہیں ہے

غم کی کوئی انتہا نہیں ہے
بندہ تو کوئی خدا نہیں ہے

جینا مرا مدعا نہیں ہے
مرجانے کا آسرا نہیں ہے

اللہ رے حریمِ حُسنِ مطلق
سجدے کیلئے بھی جا نہیں ہے

میخانہ، صنم کدہ، گلستاں
کافر آنکھوں میں کیا نہیں ہے

وہ اب مرے دل کو ڈھونڈتے ہیں
اب دل انہیں ڈھونڈتا نہیں ہے

منہ پھیر کے یوں چلے گئے ہیں
جیسے کہ مرا خدا نہیں ہے

لو حشر پہ اٹھ رہیں سزائیں
اب لطف گناہ کا نہیں ہے

میخانہ بدوش پھر رہا ہوں
اک گھونٹ شراب کا نہیں ہے

اے بے خبرو تلاش کیسی
کھویا ہوا کچھ خدا نہیں ہے

یہ آپ کی شانِ بے نیازی
گویا کوئی دوسرا نہیں ہے

سنتے ہیں کہ سامنا بھی ہوگا
اب کیا ترا سامنا نہیں ہے

چراغ بزم کا ہوں

کوکبؔ آفندی

آنسو نہیں اور رو رہا ہوں
رونے کا بھی اب مزہ نہیں ہے

بے چین، بے آرزو، شکستہ
دل آپ کے کام کا نہیں ہے

آئیگی اسے اجل بھی یارب
جس کا کوئی آسرا نہیں ہے

دونوں عالم خراب کردو
ٹوٹے ہوئے دل میں کیا نہیں ہے

اِس عشق میں سب عدم ہے کوکبؔ
ہستی کا کہیں پتہ نہیں ہے

# غزل

ازل سے میں ترا عارف ہوں مجھ کو عرفاں ہے
کوئی ہے عشق میں کافر کوئی مسلماں ہے

جنوں کا زور ہے یا عشق کا یہ عنواں ہے
اب اپنا ہاتھ ہے اور اپنا ہی گریباں ہے

ہیں اس میں کتنے رہائی کے واسطے بیتاب
سمجھ رہا ہوں میں دنیا جسے وہ زنداں ہے

کنول جو دل کے کھلاتی تھی کیا ہوا اس کو
بہار اب نہیں آتی وہی گلستاں ہے

اٹھایا بار محبت بہت بلند ہوا
کئے فرشتوں نے سجدے جسے وہ انساں ہے

ہمیں بدل گئے ہیں یا بدل گئی دنیا
نہ شام میں ہے اداسی نہ صبح خنداں ہے

محبت اس نے عطا کی ہے مست رہتا ہوں
جو درد سمجھے ہیں ان کو ہی فکر درماں ہے

مری نظر سے کوئی دیکھے میں دکھاؤں گا
زمانہ کہتا ہے کانٹے جنہیں گلستاں ہے

تری طلب تو ہے، افشائے راز کے ڈر سے
خموش رہتا ہوں، پر درد دل میں پنہاں ہے

پھر اپنے چاہنے والے سے پُرسشِ احوال
یہ جانتے ہوئے ناکامیوں پہ شاداں ہے

مقامِ شُکر ہے کوکبؔ شکایتیں کیسی
بنادیا ہمیں انساں یہ اس کا احساں ہے

# غزل

تجھے ڈھونڈلے جو وہی کامراں ہے
اک آواز چپکے سے دے دے کہاں ہے

زمیں ہے وہاں اور نہ یہ آسماں ہے
جہاں تو ہی تو ہے وہی لامکاں ہے

تمناؤں اور حسرتوں میں رواں ہے
یہ عمر دو روزہ بھی اک کارواں ہے

سمجھنا نہ صیاد یہ آسماں ہے
نشیمن جو پھونکا ہے اس کا دھواں ہے

اجاڑا ہے گھر اپنا جوشِ جنوں میں
جو تھا رشکِ جنت وہ ہُو کا مکاں ہے

ترے عشق میں محویت کا یہ عالم
قفس کو ہی سمجھے کہ یہ آشیاں ہے

کہو تو سنادوں یہ ہے روز محشر
تمہاری جفاؤں کی جو داستاں ہے

سنیں گے وہ کیا درد دل کا فسانہ
جنہیں آہ کرنا بھی میرا گراں ہے

ہمیں ایک بدلے ہیں الفت کے مارے
زمیں ہے وہی اور وہی آسماں ہے

جنونِ محبت نے دنیا بدل دی
اب ان کی زباں پر مری داستاں ہے

بڑھاپے میں کوکبؔ کے انداز دیکھے
جوانی کے تیور ہیں اب تک جواں ہے

# غزل

صدقے دل ان کے حسن پہ دیوانہ وار ہے
کیا جانئے یہ جبر ہے یا اختیار ہے

یہ گوشۂ قفس کی فضا اور پیامِ گُل
اللہ اب کے سال بھی فضل بہار ہے

جب تک دھڑک رہا ہے زبانِ وفا ہے دل
جب ہوگیا خموش تو لوحِ مزار ہے

سجدہ ہے، آستاں سے اگر سر نہ اٹھ سکا
ہوش آ گیا تو لغزشِ مستانہ وار ہے

میری نگاہ کرتی ہے تخلیق حسن کی
تیرا جمال، عشق کا پروردگار ہے

ہے ایک انتظار مسلسل حیاتِ عشق
اور انتظار حاصل صدا انتظار ہے

کوکبؔ مری نگاہ میں ہے رازِ کائنات
ہر ذرہ ان کے حسن کا آئینہ دار ہے

# غزل

ہنس لو مری وحشت پر ہنسنے کا زمانہ ہے
لاشے پہ مرے اک دن روتے ہوئے آنا ہے

آنکھیں تو ہوں اس قابل جلوے کو خدا رکھے
ٹھہرو ابھی دنیا کو نظروں سے گرانا ہے

روئے کہ ہنسے کوئی اس حوصلہ دل پر
ان کو بھی محبت کے رستہ پہ لگانا ہے

آئی ہے بہار اے پھر دور خزاں ہوگا
دو دن کو نشیمن میں کیا آگ لگانا ہے

لو روپ نیا بدلا اس دردِ محبت نے
دل سے جو مرے لب تک آیا تو فسانہ ہے

طوفاں صفت اٹھے تھے اور گرد صفت بیٹھے
چکر میں ہے خاک اپنی آنا ہے نہ جانا ہے

آسان نہیں کوکبؔ تکمیل محبت کی
آسانی و مشکل کا احساس مٹانا ہے

# غزل

اہل جفا جفاؤں سے دنیا ہلا گئے
اہل وفا وفاؤں کے طوفاں اٹھا گئے

تڑپا کے روح فتنہ خفتہ جگا گئے
وہ مجھ کو زندگی کا نیا رخ دکھا گئے

نظروں سے دور ہو کے دلوں میں سما گئے
جتنے تھے دور اتنے ہی نزدیک آ گئے

دی دعوتِ نگاہ تو جلوہ دکھا گئے
رخ سے نقاب اٹھا کے وہ دنیا پہ چھا گئے

جب ہوش تھا تلاش میں ناکام ہی رہے
کھوئے گئے جو ہوش تو ہم ان کو پا گئے

منزل تھی آخری یہ مری جذبِ شوق کی
کھنچ کر وہ لامکاں سے مرے دل میں آگئے

اے جذب عشق تو بھی تھا کس راہ پر رواں
دنیا کے رنج و غم مرے حصہ میں آگئے

کیسی کشش تھی حضرت عیسیٰ کے عشق میں
انکار دید کرکے وہ جلوہ دکھا گئے

کوکبؔ جو حق پرست تھے کعبہ کو چل دیئے
باطل پرست دیر کی منزل میں آگئے

# غزل

عشق میں ہوش ہے دیدار کے خواہاں ہوں گے
ہم تو انسان ہیں آئینے بھی حیراں ہوں گے

تیرے دیوانوں سے آباد بیابیاں ہوں گے
پھر بہار آئے گی پھر چاک گریباں ہوں گے

ہم اگر چاہیں خزاں میں بھی تو آجائے بہار
رنگ دے دیں گے تو کانٹے بھی گلستاں ہوں گے

عشق صادق ہے ہمارا تو اجالا ہوگا
تو کہاں ہوگی جہاں ہم شب ہجراں ہوں گے

وہ یہ کہتے ہیں کہ ظاہر نہ ہوں الفت کے نقوش
میں یہ کہتا ہوں کہ چہرے سے نمایاں ہوں گے

تم اگر چاہو تو اٹھ جائیں حجابات نظر
مجھ کو مشکل سے ہے مشکل تمہیں آساں ہوں گے

آپ کچھ دیں کہ نہ دیں دل تو مرا رکھ لیجئے
خود نکل جائیں گے جتنے مرے ارماں ہوں گے

جان تو تجھ پہ فدا کرتی ہے ساری دنیا
دیکھ تو کرکے اشارہ ہمیں قرباں ہوں گے

آج کوکبؔ بھی نکل آئے صنم خانے سے
آ گیا خوفِ خدا اب تو مسلماں ہوں گے

# غزل

بھڑکے تھے جو فراق کے شعلے بجھالئے
آنکھوں پہ اپنا زور تھا آنسو بہالئے

نقشِ وفا دکھائیں گے دل اپنا چیر کر
وقت آنے دو بتائیں گے بیٹھے ہیں کیا لئے

ہوں کشمکش میں مرنے کی جی چاہتا نہیں
پچھلے گناہ سامنے ہیں آئینہ لئے

شکوے کی کیا مجال ہے سجدے ہیں شکر کے
اس کے دیئے ہوئے ہی تو تھے غم اٹھالئے

اس کا کرم کہوں کہ تصرف ہو عشق کا
حائل جو بیچ میں تھے وہ پردے اٹھالئے

دیکھیں گے دل کی آنکھوں سے دیکھیں گے آپ کو
ہم نے بھی اب چراغ محبت جلا لئے

اب سیر باغ نظم ہو گلگونِ فکر پر
کوکبؔ جوابِ تختِ سلیماں نکالئے

# غزل

خفا وہ ہیں تو سبھی ہو گئے ہیں برہم سے
بنایا عشق نے بیگانہ ایک عالم سے

ہے زندگی کا مزہ اس کے ظلم پیہم سے
کہیں وہ درد کی لذّت نہ چھین لے ہم سے

امیدوارِ رہائی تو مر گئے غم سے
چراغ جلتا ہے زنداں میں اک مرے دم سے

اُسی سے کیا ہے، شکایت ہے ایک عالم سے
کہاں ہے درد کوئی پوچھتا نہیں ہم سے

نگاہ پھیر کے کیا ہو گا لطف پیہم سے
سکھا دیا ہمیں وابستہ ہو گئے غم سے

کیا ہے عشق نے وابستہ ایسے عالم سے
نہ ہم کسی سے ہیں واقف نہ کوئی ہے ہم سے

خفا نہ ہوتے تو اک بات پوچھ ہی لیتے
کہ زندگی سے ہیں ہم یا ہے زندگی ہم سے

ترے خیال نے پہنچادیا کہاں سے کہاں
ہوا ہوں کیسا سبکدوش دونوں عالم سے

کہاں ہیں آئین محبت سے روکنے والے
نظر ملائیں نہ ہوجائیں وہ کہیں ہم سے

ڈبوؤ یا کہ تراؤ تمہیں پہ ہے موقوف
اٹھے گا اب کوئی طوفان چشم پرنم سے

قفس میں رہ کے بھی کیا یاد آشیاں کرتے
یہاں پہ آ کے تو فرصت ملی نہیں غم سے

چراغ بزم کا ہوں آسماں پہ ہوں کوکبؔ
یہ کائنات کی رونق تو ہے مرے دم سے

# غزل

یہ دنیا ہے دنیا پہ اس کے سہارے
مرے جاتے ہیں ہم تو جینے کے مارے

محبت میں رقصاں ہیں یہ چاند تارے
سب ان کیلئے پھرتے ہیں مارے مارے

کنائے ہیں ان کے نہ ان کے اشارے
کہاں جائیں گے اب محبت کے مارے

جسے تم نے لوٹا دیا اپنے در سے
کہاں جائے وہ اور کس کو پکارے

کب آئے گی منجدھار میں میری کشتی
چلی جارہی ہے کنارے کنارے

کہاں چاند تھا اور کدھر چاندنی تھی
شبِ غم گزاری ہے گن گن کے تارے

فنا ہوگیا ہو جو الفت میں ان کی
وہی تو سمجھتا ہے ان کے اشارے

محبت سے کوکبؔ نہ دامن چھڑاؤ
محبت میں ہوتے ہیں وارے نیارے

# غزل

نہ ہو جو پختہ کار اتنا وہ کیا راز نہاں سمجھے
محبت میں جو کامل ہو محبت کی زباں سمجھے

تمہارے ہر ستم کو راحت روح رواں سمجھے
جفاؤں کو تمہاری ہم وفا کا امتحاں سمجھے

تری ترچھی نظر کو نشتر رگ ہائے جاں سمجھے
خلش جو دل میں ہوتی ہے اسے راحت رساں سمجھے

ازل سے مرد میداں ہیں ہم اس راہ حقیقت کے
جو ناواقف ہو کیا اس عشق کے راز نہاں سمجھے

شب غم کس طرح کس درد سے نالے کئے میں نے
سمجھنے والا کوئی ہو تو میری داستاں سمجھے

ستم کرتے رہیں وہ یہ بھی ان کی مہربانی ہے
یہ اپنا حوصلہ نامہرباں کو مہرباں سمجھے

زمانہ کو سکھادی ہم نے خودداری محبت میں
بیاباں کو چمن سمجھے قفس کو آشیاں سمجھے

محبت میں تصدق ہورہے ہیں شمع محفل پر
کہ جل مرنے کو پروانے حیات جاوداں سمجھے

روش اپنی نہیں بدلی کبھی راہ محبت میں
تمہیں سمجھایا دنیا بھر نے کوکبؔ تم کہاں سمجھے

# غزل

خواب و خیال ہوگئیں باتیں شباب کی
ایسی مجھے امید نہ تھی انقلاب کی

زاہد یہ منزلت ہے ہماری شراب کی
شیشے پہ پڑرہی ہے نظر آفتاب کی

پیش نظر ہے بحر میں شکل انقلاب کی
گویا ہے موج لوح طلسم حباب کی

کچھ قطع ہے عجب مرے عہد شباب کی
ہر چند جاگتا ہوں پہ حالت ہے خواب کی

اس شوخ نے بلند کیا جب ہلال تیغ
تھرّا گئی فلک پہ سپر آفتاب کی

بعدِ مہِ صیام دن آیا ہے عید کا
ساقی سبیل آج لگا دے شراب کی

جو واقعات گزرے تھے اب یاد بھی نہیں
کیفیتِ شباب بھی باتیں تھیں خواب کی

اپنی شب شباب کی کیا کیفیت کہوں
تعبیر پوچھتے ہیں وہ بچپن کے خواب کی

نازک لبوں کی اور ترے کیا کروں ثنا
پتی پہ ہے دھری ہوئی پتی گلاب کی

الجھا ہے جا کے گیسوئے پیچان یار سے
شامت ہی آ گئی دل خانہ خراب کی

للّٰلہ ابروؤں کو چڑھا کر نہ دیکھئے
یہ آیتیں ہیں مُصحفِ رُخ میں عذاب کی

سوزِ دروں سے شمع نے سیکھا گدازِ دل
بجلی نے شان اڑائی مرے اضطراب کی

وہ بھی گھڑی تھی کونسی اے صانعِ ازل
رکھی تھی جب بنا دلِ خانہ خراب کی

محشر تو دن ہے وعدۂ دیدار یار کا
یہ اور کس نے شاخ لگادی حساب کی

کس طرح نیند آئے گی کوکبؔ شب فراق
تصویر پھر رہی ہے کسی کے شباب کی

# غزل

قضا سے ساز کر کے بند کرتے ہو زباں میری
خدا چاہے تو خود کہتے پھرو گے داستاں میری

ابھی بے شک تمہاری داستاں ہے اور زباں میری
مگر اک دن زباں ہوگی تمہاری داستاں میری

جہاں کا ذرہ ذرہ جذب کر لے گا فغاں میری
کرو گے بات تم جس سے سنو گے داستاں میری

بدل دی تو نے اتنی شکل اے دردِ نہاں میری
مجھی سے لوگ اب کہنے لگے ہیں داستاں میری

تمہارا نام لے کر تکملہ کردوں فسانے کا
ابھی رہنے دو دم بھر میرے قابو میں زباں میری

انہیں ہے فکر اس کی میرے کوچہ میں نہ دم توڑے
مجھے ہے سوچ اس کی قبر بنتی ہے کہاں میری

نشیمن میں چمن ہی کے ہیں سب اجزائے ترکیبی
چمن پر بار ہے کیوں پھر بنائے آشیاں میری

نیا دور فلک بدلو نئی طرحِ زمن ڈالو
ابھی رہنے دو ہستی اور صرفِ امتحاں میری

زیارت گاہ عالم ہوگا زنداں میرے مرنے پر
یہیں میرے لہو سے دھو کے رکھ دو بیڑیاں میری

اب افسردہ دلی میں فرد ہوں پژمردہ خاطر ہوں
وہ ذوق و شوق کوکبؔ وہ محبت اب کہاں میری

# غزل

کس کی ہمت ہے کوئی اس سے بچالے دل کو
ہم نے خود کردیا قاتل کے حوالے دل کو

پڑگئے مفتِ خدا جان کے لالے دل کو
تو نے کیا کردیا، او دیکھنے والے دل کو

دیکھئے جان کے پڑجائیں نہ لالے دل کو
آپ نے چھیڑدیا کیوں مرے آلے دل کو

ہو یہ صورت تو نہ ہوں جان کے لالے دل کو
آئینہ اپنا وہ دلدار بنالے دل کو

آہیں فرقت میں ہوا کرتی ہیں بھالے دل کو
سوزِ دل بن کے جلادیتے ہیں نالے دل کو

او کماندار امانت سے خبردار اپنی
کردیا ہے ترے ناوک کے حوالے دل کو

کیسے اب اپنا جگر تھاموں کہ آنسو پونچھوں
دونوں ہاتھوں سے تو پھرتا ہوں سنبھالے دل کو

ہے نصیبوں کا جلا میری طرح سے یہ بھی
ملتے ہیں عشق کے انعام میں چھالے دل کو

دیکھنا چاہے اگر عشقِ محبت کی بہار
کھائے وہ داغ کہ اک باغ بنالے دل کو

منزلِ عشق و محبت بھی عجب منزل ہے
آپ اس راہ میں سنبھلے کہ سنبھالے دل کو

کس طرح آپ کو آئے مری باتوں کا یقیں
کس طرح دل میں کوئی آپ کے ڈالے دل کو

بزمِ ہستی میں مقدم ہے صفائے باطن
آئینہ گر ہے تو آئینہ بنالے دل کو

کیا کہیں آہ وہ کوکبؔ دلِ مرحوم اپنا
پوچھنے آئے ہیں اب پوچھنے والے دل کو

# غزل

کون کہتا ہے کہ مجھ میں جذبۂ کامل نہیں
میں اِدھر ہوں وہ اُدھر پردہ کوئی حائل نہیں

خود گریباں چاک ہیں میری اڑاتے ہیں ہنسی
کون ہے جو اُس نگاہِ ناز کا بسمل نہیں

جبر ہے یا اختیار اب تو پرائے بس میں ہے
ناز تھا جس پر ہمیں اب وہ ہمارا دل نہیں

عشق کی مجبوریاں اور حسن کی شہ زوریاں
کون ہے کس کو سناؤں کوئی اہلِ دل نہیں

ناخدا اب تو خدا پر تو بھی کشتی چھوڑ دے
ہر طرف طوفاں ہی طوفاں ہے کہیں ساحل نہیں

کیا کہو گے سوچ لو آئے گا روز باز پرس
امتحاں ہے جان دے دینا تو کچھ مشکل نہیں

سب کی نظریں ہیں مجھی پر میرے حال زار پر
میری محفل ہے یہ اب، اب یہ تری محفل نہیں

# غزل

سجدے میں جس نے سر دیا اس پہ تو ہم نثار ہیں
رہروِ راہِ عاشقی کہنے کو یوں ہزار ہیں

گرچہ خیال یار سے ہجر میں ہمکنار ہیں
بھول نہ جائے وہ ہمیں اس لئے بیقرار ہیں

آنکھیں کہاں سے لائیں ہم جلوے تو آشکار ہیں
ابر میں برق زن وہی باغ میں وہ بہار ہیں

مٹنا تھا ہم کو مٹ گئے دے کے وفا کا امتحاں
آپ ہماری خاک پر کس لئے اشکبار ہیں

آج وہ خارِ دشت ہمیں کل جو چمن میں پھول تھے
تخت پہ جلوہ گر جو تھے اب وہ تہہ مزار ہیں

دل میں نہیں ہیں آبلے دفن ہیں ان میں حسرتیں
داغ جگر نہیں ہیں یہ شمع سر مزار ہیں

سینہ میں دل نہیں ہے یہ ہے یہ فراز آسماں
داغ وہ دے رہے ہیں ضو شمس و قمر نثار ہیں

ہنستے تھے مجھ جو پہ جو کبھی اٹھتی ہیں ان پہ انگلیاں
وہ بھی کسی پہ مر مٹے اب تو وہ بیقرار ہیں

زہد میں نام تھا بہت حضرت کوکبؔ آپ کا
توبہ شکست ہوگئی پھر وہی بادہ خوار ہیں

# غزل۔۱

وہ دیکھتا ہے مجھے اب یہ دیکھتا ہوں میں
یہ میرا ظرف محبت پہ چھا گیا ہوں میں

مٹائیں گے وہ مجھے کیا مٹا ہوا ہوں میں
ستم کریں گے کہاں تک یہ دیکھتا ہوں میں

اسی کا نام ہے الفت مری جسارت دیکھ
تری طلب ہے مجھے تجھ سے مانگتا ہوں میں

جہاں بنایا نشیمن وہیں گری بجلی
جلاؤ اور جلاؤ پُھکا ہوا ہوں میں

زمانہ بھر ہی کو تم نے دکھا دیا جلوہ
کسی نے دیکھا ہے، جس طرح دیکھتا ہوں میں

اٹھایا اس نے بھی محفل سے اب کہاں جاؤں
نگاہِ یاس سے ہر سمت دیکھتا ہوں میں

بتو یہ ناز یہ انداز ظلم بے پایاں
ڈرو خدا سے ڈرو بندۂ خدا ہوں میں

ہر ایک شے میں نظر آرہا ہے تو مجھ کو
جب اپنے آپ کو کھویا تو پاگیا ہوں میں

پھر اس کی کنہِ حقیقت سمجھ میں آئے گی
میں اپنے آپ کو پہلے تو جانوں کیا ہوں میں

وہ مانتے ہی نہیں ان سے کیا کہوں کوکبؔ
گناہ گار سمجھتے ہیں پارسا ہوں میں

# غزل۔۲

تری نگاہ کے قرباں بتا کہ کیا ہوں میں
مجسمہ ہوں وفا کا کہ بے وفا ہوں میں

مری نظر میں تو ہی تو ہے دیکھتا ہوں میں
فنا سے پہلے ہی گم ہوگیا فنا ہوں میں

ہنسے زمانہ، محبت میں کھوگیا ہوں میں
تلاش اپنی ہے اور اس کو ڈھونڈھتا ہوں میں

نیا ہو ظلم نیا ہو ستم نئی بیداد
مٹاؤ اور مٹاؤ مٹا ہوا ہوں میں

وہ یاد اس کی فغاں شب کی اور تنہائی
زمانہ چین سے سوتا ہے جاگتا ہوں میں

تو آزما مجھے جتنا بھی آزمانا ہے
خوشی سے موج حوادث میں کھیلتا ہوں میں

اب اور کس سے کروں جا کے شکوۂ بیداد
ترا جواب یہ ہے صورت آشنا ہوں میں

کیا ہے شکوہ کبھی، ظلم تم کئے جاؤ
یہ جانتے تو ہو تم خوگر وفا ہوں میں

میں تیر کھانے کا عادی ہوں اور تو مشاق
شکست و فتح کسے ہوگی دیکھتا ہوں میں

ڈبوؤں یا کہ تراؤں یہ مجھ پہ ہے موقوف
رواں ہے کشتی عمر اپنی ناخدا ہوں میں

میں اپنی دھن میں ہوں کچھ بھی کہیں مجھے بندے
خودی نے چھوڑدیا ہے مجھے خدا ہوں میں

اسی فراق میں ہوں اور بدل گئی دنیا
قفس کے خواب چمن میں بھی دیکھتا ہوں میں

اب آپ آئے ہیں کرتے ہیں پرسش احوال
حدود عشق سے اب تو گزر گیا ہوں میں

کبھی تھا میں متلاشی وہ چھپتے پھرتے تھے
مری تلاش میں اب وہ ہیں کھوگیا ہوں میں

سمجھ لوں کیسے اسے اور کیا کروں کوکبؔ
میں اپنے آپ کو سمجھا نہیں کہ کیا ہوں میں

# غزل۔۱

یقین آئے تو کیسے آئے، ہوئیں تو ہیں بار بار باتیں
ہے ان کا وعدہ بھی کوئی وعدہ، ہیں ان کی بے اعتبار باتیں

رہیں وہ پردے میں اور نہ بولیں وہ وقت بھی تو ہے آنے والا
جب آمنا سامنا بھی ہوگا کریں گے روز شمار باتیں

کبھی قیامت کی چپ لگی ہے کبھی ہیں دل سے ہزار باتیں
یہی ہیں دنیائے عاشقی میں جنوں کی پروردگار باتیں

میں ان سے خود حال دل کہوں گا کریں گے کیا رازدار باتیں
کسی سے کہنا ہے کچھ نہ سننا ہزار منہ ہیں ہزار باتیں

ابھی تو ہر سمت خامشی ہے ابھی تو بے درد ہنس رہے ہیں
وہ دن بھی آئیں گے جب کریں گے کسی سے بے اختیار باتیں

سکوت، فریاد، بے قراری، جنون، اشکوں کی رو تبسم
ہماری بدنام کرنے والی یہی ہیں بس تین چار باتیں

ہمیں کو الزام دے گی دنیا ہمیں کو رسوا کرے گی دنیا
اُدھر ہے ظالم کی اک خموشی اِدھر ہماری ہزار باتیں

جفا کا شکوہ کرے وہ کیوں کر جسے بیانِ وفا نہ آئے
میں کیسے سمجھاؤں اپنا مطلب میں کس سے لوں مستعار باتیں

ہزار باتیں وہ کہہ رہے ہیں مگر ہے ذکر ان کی خامشی کا
اگر ہم اک لفظ منہ سے کہہ دیں بنائی جائیں ہزار باتیں

کسی سے تم کہہ رہے تھے لیکن ہمیں سے محفل میں تھے مخاطب
ہماری قسمت کی تھیں تمہارے حساب میں بے شمار باتیں

بیان دل کی طرف سے کچھ ہے زبان کچھ کہہ رہی ہے ان کی
یہی تو باتیں ہیں آدمی کے خیال کی پردہ دار باتیں

شعور ہی عشق کا الگ ہے مذاق ہی حُسن کا جدا ہے
وہ شام غم کا سا میرا لہجہ، وہ ان کی صبح بہار باتیں

یہی حقیقت کی تلخیاں کل گلے سے اتریں گی شہد ہوکر
یہی گوارا کرے گی دنیا جو آج ہیں ناگوار باتیں

وہ کہہ رہے ہیں وہ سن رہے ہیں امیدیں بیدار ہورہی ہیں
چھڑا ہے الفت کا ساز کوکبؔ خدا کرے سازگار باتیں

# غزل۔۲

کروں گا ان سے میں خود کروں گا کریں گے کیا راز دار باتیں
سنیں گے مجھ سے وہی سنیں گے مگر سلیقہ سے چار باتیں

قدم بڑھاتا ہوں کچھ کہوں میں ، مگر یہ بھی ہے خیال رکھنا
بھرم نہ کھل جائے عاشقی کا ، انہیں نہ ہوں ناگوار باتیں

کھنچے کھنچے سے وہ مل رہے ہیں امید بھی ان سے کر رہا ہوں
کبھی تو ہو عشق کار فرما کبھی تو ہوں سازگار باتیں

جو دل میں آیا وہی کریں گے اسی کی چوکھٹ پہ سر دھریں گے
ہمیں ہے دنیا سے واسطہ کیا ، ہزار منہ ہیں ہزار باتیں

ہر ایک کو عشق کا ہے دعویٰ ، زمانہ مجنوں بنا ہوا ہے
چمن میں وہ گل کھلا رہے ہیں ، ہیں ان کی باغ و بہار باتیں

سنے گا کیا کوئی میری باتیں سمجھ میں آئے گا کیا کسی کے
وہی جنوں اور وہی محبت وہی ہیں دیوانہ وار باتیں

میں ہوں مخاطب ادھر خموشی زمانہ نگراں فلک مخالف
ابھی محبت کے پھول برسیں کرے جو وہ گلعذار باتیں

چھپی ہوئی ہے مری محبت وہ جانتے ہی نہیں ہیں مجھ کو
اب اس سے آگے بڑھو گے کوکبؔ کریں گی راز آشکار باتیں

# غزل

مدہوش و مست ہی تھے جب آئے وہاں سے ہم
دھڑکوں میں اب ہیں جائیں گے کیسے یہاں سے ہم

وابستہ ہوگئے ہیں ترے آستاں سے ہم
اب نقش ہی بٹھا کے اٹھیں گے یہاں سے ہم

رقصاں ہیں اس لئے کہ اٹھیں درمیاں سے ہم
تنگ آگئے زمین سے اور آسماں سے ہم

ہم سوچتے ہی رہ گئے اور لٹ گئی بہار
کانٹے چنیں کہ پھول چنیں بوستاں سے ہم

در در کی ٹھوکریں ہیں کہاں جائیں کیا کریں
گُم ہیں، ہوئے ہیں جب سے جُدا آشیاں سے ہم

کیا کیا ہیں آرزوئیں مگر اس کے سامنے
دل میں جو ہے وہ کہہ بھی سکیں گے زباں سے ہم

لطف بہار ہی نہیں آتا بہار میں
مانوس ہوگئے ہیں کچھ ایسے خزاں سے ہم

اہل قفس ٹھہرنے تو دو رہ پڑیں گے کیا
گھبراکے آگئے ہیں ابھی آشیاں سے ہم

وہ خود کرے گا آکے محبت کا اعتراف
سن لیں گے ایک روز اسی کی زباں سے ہم

بھولے ہیں سب کو غرق ہوئے اس کے عشق میں
کوکبؔ ہیں بے نیاز غم دو جہاں سے ہم

## غزل۔۱

یہ ابتدا ہے رنگ ابھی ہے مجاز کا
نغمہ سنیں گے ہم بھی حقیقت کے ساز کا

حد نیاز ہوچکی ہے وقت ناز کا
پردہ وہ خود اٹھائیں گے اب آ کے راز کا

خنجر بکف وہ ہیں میں جھکائے ہوں اپنا سر
ہے کیف ان کو ناز کا مجھ کو نیاز کا

دیوانہ وار جاتا ہوں منزل ہے عشق کی
ہر ہر قدم پہ خوف ہے افشائے راز کا

دنیا کو کیوں سناؤں جو کہنا ہے آپ سے
گوشہ نکالئے کوئی راز و نیاز کا

جو دیکھتا ہوں میں اسے دنیا نہ دیکھ لے
دیوانگی اٹھادے وہ پردہ نہ راز کا

کیوں قلب کھنچ رہے ہیں جو اس کا نہیں وجود
آواز تو اسی کی ہے پردہ ہے راز ہے

آئے ہیں ہم جہاں سے وہیں کی ہے دھن ہمیں
محفل کا کیا، خیال ہے محفل طراز کا

ان کو بھی رحم آ گیا کوکبؔ کے حال پر
انداز بھی تو ہوتا ہے کچھ سوز و ساز کا

# غزل۔۲

بدلے نہ رخ کہیں نگہہ امتیاز کا
میں تار چھیڑتا ہوں محبت کے ساز کا

تیوری پہ ان کی بل ہے نظر میری سجدہ ریز
کیا رنگ ہے جہاں کے نشیب و فراز کا

دنیا کو کیا خبر کہ محبت میں ایک ہے
مفہوم ان کے ناز کا میرے نیاز کا

جن سے بچھڑ گیا تھا وہ پہچانتے نہیں
مارا ہوا ہوں منزل دور و دراز کا

کیا کیا نزاکتیں ہیں محبت کی راہ میں
ہر ہر قدم پہ خوف ہے افشائے راز کا

وہ دن بھی تھے حجاب حقیقت میں تھا مجاز
اب کچھ حقیقتوں پہ ہے پردہ مجاز کا

ملتی نہیں اجازت عجز و نیاز بھی
اللہ رے غرور کسی مست ناز کا

اس حد سے لیکے بڑھ گیا آگے ترا خیال
سجدے کی اب نہ فکر نہ غم ہے نماز کا

کیا عشق کی شکست کا سامان کر گیا
دل دیدنی تھا حسن کے آئینہ ساز کا

محفل میں بیٹھنے کی جگہ تک نہیں مگر
چپ ہوں مزاج دیکھ کے محفل نواز کا

کوکبؔ کسی کے سامنے جھکتا نہیں یہ سر
بندہ ہوں میں بھی ایک ہی بندہ نواز کا

# غزل

اب آئے ہو تو بسمل کا تماشہ دیکھ کر جانا
تڑپنا، لوٹنا، شیرازۂ ہستی بکھر جانا

جنوں کہتی رہے دنیا جنوں میں کام کرجانا
اسی کے در پہ جاکر پھوڑنا سر اور مرجانا

بہت آسان ہے ہم کو رہ منصور پر جانا
یہ ننگِ عاشقی ہے عشق کی حد سے گزرجانا

ابھی جیتے ہیں لیکن منتظر ہیں وقت کے ہم بھی
اشارہ کرکے دیکھو تو ہمیں آتا ہے مرجانا

یہ جزر و مد ہے نظروں کا تو بیڑا پار کیا ہوگا
کبھی چڑھنا نگاہوں پر کسی کی پھر اترجانا

رہِ الفت میں یہ عالم ہے کھائی جس جگہ ٹھوکر
وہیں پر کرلیا سجدہ اسی کو سنگ در جانا

شب فرقت میں کیسا لطف ہے پوچھے کوئی ہم سے
وہ محویت کا عالم اور وہ سجدوں میں سر جانا

کیا قاتل پہ دل صدقے رکھا خنجر کے سر نیچے
نہ اپنے دل کو دل سمجھا نہ اپنے سر کو سر جانا

چلو اب کربلا کوکبؔ یہی ہے وقت جانے کا
تمہاری زندگی ہوجائے گی روضہ پر مرجانا

# غزل

چارہ گر حال وہ پوچھیں تو کچھ ایسا کہنا
میری بگڑی ہوئی حالت کو تماشا کہنا

اپنے دل کو مجھے زیبا نہیں اچھا کہنا
آپ کی نذر کے قابل ہے تو پھر کیا کہنا

خوب ہے مجھ کو برا غیر کو اچھا کہنا
ہے بہ بہرحال بجا آپ کا بس کیا کہنا

مجھ سے مشکل ہے کہ جھوٹے کو بھی جھوٹا کہہ دوں
تم کو آسان ہے سچے کو بھی جھوٹا کہنا

فخر اوروں کیلئے ہو مجھے منظور نہیں
جذبۂ عشق کو فطرت کا تقاضا کہنا

اپنا دل اپنی زباں اپنا مکاں اپنی لحد
اب انہیں بھی مجھے سجتا نہیں اپنا کہنا

عالم عشق دو عالم سے جدا ہے شاید
دین کہنا اسے موزوں ہے نہ دنیا کہنا

تیرے وعدے کی نوازش مرے سر آنکھوں پر
فرق اے دوست بہت رکھتا ہے کرنا کہنا

مجھ کو بھی عشق مکمل کا لقب دے ہی گیا
ان کا اپنے لئے خود حسن سراپا کہنا

اور کرتا ہے گنہگارِ تمنا کوکبؔ
بیوفا کا مجھے بدنام تمنا کہنا

# غزل

آنکھوں سے دل ہوا جو نمایاں کبھی کبھی
شرما گیا ہے جلوۂ جاناں کبھی کبھی

یوں بھی ہوا ہے عشق کا احساں کبھی کبھی
کافر بھی ہوگئے ہیں مسلماں کبھی کبھی

اکثر خودی کے ساتھ بہت کم خدا کے ساتھ
اپنے کو بھول جاتا ہے انساں کبھی کبھی

اس عشق بے پناہ سے اللہ کی پناہ
دیکھا ہے جس نے حسن کو حیراں کبھی کبھی

انداز خود فراموشی عشق دیکھ کر
ہوتا ہے ناز حسن پشیماں کبھی کبھی

ان کی عنایتیں بھی قیامت سے کم نہیں
ہوتا ہے جان دینے کا ارماں کبھی کبھی

کیا پوچھتے ہو، خونِ شہیداں کی برکتیں
رشک چمن بنے ہیں بیاباں کبھی کبھی

میری نگاہ شوق کی گردش کے ساتھ ساتھ
کل کائنات ہوتی ہے رقصاں کبھی کبھی

کچھ بے نیازیوں کی روش کم تو ہوگئی
کوکبؔ نظر پڑے ہیں غزلخواں کبھی کبھی

# غزل

عشق بھی چشم پری رویاں کا ہے دل سے مجھے
خوف بھی آتا ہے پر آشوب منزل سے مجھے

منہ دکھا دیجے نکل کر پردہ دل سے مجھے
حشر کے دن تو ملیں گے آپ مشکل سے مجھے

تم تو دل کو کھیل سمجھے ہو تمہارا کھیل ہے
زندگی ہے دل سے میری عیش ہے دل سے مجھے

تنگ آ کر کہنے لگتا ہوں جو میں دل کو برا
وہ سمجھتے ہیں عداوت ہوگئی دل سے مجھے

مان کا تو پان بھی اب جان ہوتا ہے بہت
غم سے بھی ہوتی خوشی دیتے جو غم دل سے مجھے

دل مرا لے کر بتِ کافر کی شوخی دیکھئے
مجھ سے کہتا ہے کہ اب چاہو گے کس دل سے مجھے

آپ ہی تھے مقصدِ دل آپ ہی سے دل کھنچے
آپ ہی نے دور رکھا مقصدِ دل سے مجھے

کیا اسی منہ سے دیا تھا آپ نے قولِ وفا
آپ نے اپنا بنایا تھا اسی دل سے مجھے

دل وہی ہے میں وہی ہوں یہ ستم کیا ہوگیا
اب نہ الفت دل کو ہے مجھ سے نہ رہے دل سے مجھے

دن میں جو گزری تھی شب بھر اس کو دہرایا کیا
اک کہانی رات بھر کہنی پڑی دل سے مجھے

وہ یہ کہتے ہیں کہ دل سے ہے مرا عہدِ وفا
میں یہ کہتا ہوں یقین آتا نہیں دل سے مجھے

غیر کا جب دخل دیکھوں گا نہ کوکبؔ بزم میں
تب میں جانوں گا کہ الفت ہے انہیں دل سے مجھے

# غزل

کچھ جھکایا تو ہے اس کو آہ کی تاثیر نے
پر زمیں اب تک نہیں دیکھی ہے چرخِ پیر نے

دل دکھایا آہ اس صورت میں بھی تقدیر نے
خوب رلوایا کسی ہنستی ہوئی تصویر نے

اف ری مایوسی کہ زنداں کے نگہباں رو دیئے
سر جھکا کر کہہ دیا کیا قیدی زنجیر نے

نقش فانی تھا جسے سمجھا تھا رنگ مستقل
کہہ دیا ہنستے ہوئے ہر پیکر تصویر نے

سن کے میرا قصہ غم ہنس دیا وہ سنگ دل
خون رلوایا مجھے پہروں تری تقریر نے

کیا یہ مطلب ہے کہ پھانسی دے کے پھر کاٹوں گلے
پاس اک ڈورا بھی رکھا ہے تری شمشیر نے

اتنے تنتے ہو جو اک بے کس کے دل کو چھید کر
کیا یہ سمجھے چادر فولاد توڑی تیر نے

وہ جنوں میں کام آیا اور نہ یہ دل میں بسا
نوک کی نشتر نے لی، پرخاش رکھی تیر نے

دل کو حسرت تھی محبت میں وہاں زخم کی
بات میری خلق میں رکھ لی زبان تیر نے

حضرت موسیٰ کی لکنت آگئی حق کو پسند
بات سلجھائی ہے کیا الجھی ہوئی تقریر نے

میں تو ان دونوں کا کوکبؔ عشق میں مجنون ہوں
حسرتیں شمشیر نے ارماں نکالے تیر نے

# نامکمل غزل کے تین اشعار

آگ میں جائیگا اک روز یہی ذوق گناہ
یہی اعمال بدل جائیں گے زنجیروں میں

حشر میں شور اٹھا میری خود آرائی کا
عشق لایا جو پنہائے ہوئے زنجیروں میں

وہ مسلمان مسلمان تھے دیدیں جانیں
کیسے سجدے کئے چلتی ہوئی شمشیروں میں

# اپنی ایک غزل پر تضمین

جذبۂ عشق سلامت ہے تو تاثیر بھی ہے کیا کہوں پیش نظر یار کی تصویر بھی ہے
آخر اس خواب کی میرے کوئی تعبیر بھی ہے جب کہا میں نے کوئی وصل کی تدبیر بھی ہے
ہنس کے فرمایا کہ ایسی تری تقدیر بھی ہے

انکی محفل میں بھلا کیسے رہے عاشق زار مورد لطف و کرم کیسے بنے عاشق زار
سینکڑوں آفتیں ہیں کیسے سہے، عاشق زار اتنے حربے ہوں تو کس کس سے بچے عاشق زار
غمزۂ وناز بھی ہیں تیر بھی شمشیر بھی ہے

میری جانب تو نہ کر بدنظری پیر فلک پھونک دے تجھ کو نہ آہ جگری پیر فلک
تو نے جانا ہے کہ میں ہوں سفری پیر فلک نہ سمجھ مجھ کو چراغ سحری پیر فلک
میں بھی باقی ہوں ابھی آہ میں تاثیر بھی ہے

کچھ تو تسکیں ہو مری گر مری قسمت ہو جائے ہجر کی ختم اسی طرح مصیبت ہو جائے
کوئی تو میرے لئے وصل کی صورت ہو جائے دل سے یہ دونوں چلے جائیں تو خلوت ہو جائے
حسرت ویاس بھی ہے اور تری تصویر بھی ہے

وہ یہ کہتے ہیں بچاتا ہے نشانہ کیسے شوق سے سینہ پہ کھاتا ہے نشانہ کیسے
ہم بھی دیکھیں کہ لگاتا ہے نشانہ کیسے دل عاشق کا اڑاتا ہے نشانہ کیسے
تیرے ترکش میں کماندار کوئی تیر بھی ہے

ساری دنیا تو یہی جانتی ہے شاد ہیں ہم داد کیا دے گا کوئی طالب بیداد ہیں ہم
باغ عالم میں فقط ایک ہی ناشاد ہیں ہم خواب غفلت میں یہ جانا تھا کہ آزاد ہیں ہم
آنکھ کھلتے ہی کھلا پاؤں میں زنجیر بھی ہے

مدتوں ہجر کا غم کھایا گیا رنج سہا عوض اشک بہت خون دل آنکھوں سے بہا
کبھی ملتے بھی نہ تھے اور رہے بھی اک جا میں نے وعدہ جو انہیں یاد دلایا تو کہا
آپ کے پاس ہماری کوئی تحریر بھی ہے

ہائے غیروں کے مقدر میں وفائیں لکھ دیں اور مری عشق کے دفتر میں خطائیں لکھ دیں
جتنی بھی ہوتی ہیں ساری ہی سزائیں لکھ دیں میری قسمت میں حسینوں کی جفائیں لکھ دیں
خط تقدیر میں کچھ شوخی تحریر بھی ہے

عشق میں رنج سہے صدمے اٹھائے کیا کیا نہیں جو ہوتا ہے وہ ہو گیا قسمت کا لکھا
ان کے آگے بھی مرے دل کا دھڑکنا نہ گیا میں تو سمجھا تھا انہیں دیکھ کے چین آئے گا
وہی آہیں ہیں وہی نالہ شبگیر بھی ہے

سلسلے ٹوٹ گئے رنج وغم و درد کے سب راحت وعیش کے پیدا ہوئے اک بار سبب
شکر کی جا ہے کہ سب میرے برآئے مطلب اپنی قسمت پہ مجھے ناز نہ ہو کیوں کوکبؔ
چاندنی رات بھی ہے وہ بت بے پیر بھی ہے

## سہرا برائے برادرم نوشہ مرزا صاحب آفندی

نہ ہو پھر کس طرح، مرغوب اہل انجمن سہرا
سرِ نوشاہ پر کیا کیا دکھاتا ہے پھبن سہرا

مرادیں دل کی بر آئیں، خدا نے دن یہ دکھلایا
ہے سر پر پانچ لڑیوں کا بہ فیضِ پنجتن سہرا

تری شادی کی ایسی دھوم ہے سارے زمانے میں
بشر ہی اک نہیں، گاتے ہیں مرغانِ چمن سہرا

بچانا اس کو یارب حاسدوں کی ترچھی نظروں سے
دکھاتا ہے سر نوشاہ پر کیا بانکپن سہرا

کروں تعریف دونوں کی، برابر ہیں مجھے دونوں
گل باغ وفا دولہا ہے اور رشک چمن سہرا

شامِ جاں معطر ہوگیا سب کا جو خوشبو سے
لئے پھرتا ہے اپنے ساتھ کیا سارا چمن سہرا

گل مضموں یہ کوکبؔ نے بڑی مشکل سے گوندھا ہے
تمہارے واسطے یہ مجتبیٰ رشک چمن سہرا

## سہرا برائے برادر معظم مرزا بادشاہ علی صاحب کوتوال کاسگنج

بنایا ہے گل مضموں سے ہم نے گوندھ کر سہرا
نئی ترکیب ہے دیکھیں ذرا اہل نظر سہرا

ہوا شہرۂ یہاں تک تیری شادی کا کہ زہرہ نے
فلک سے آن کر محفل میں گایا تیرے گھر سہرا

ترقی نور کی دیکھو تجلی پر تجلی ہے
ہے دولہا آفتابِ حسن اور رشکِ قمر سہرا

رخ انور پہ نوشہ کے نہ ڈالے بدنظر کوئی
اسی باعث سے تو ہٹتا نہیں ہے لمحہ بھر سہرا

بہت سی حسرتیں نکلیں، بہت ارمان ہوں پورے
رخ زیبا سے دم بھر کو سَرک جائے اگر سہرا

کروں تعریف کس کس کی برابر ہیں مجھے دونوں
ہے دولہا آنکھ کا تارا تو ہے نور نظر سہرا

یہ ہیں دل چسپیاں سہرے کی، سیری ہی نہیں ہوتی
تقاضا دل کا ہے، دیکھا کرو شام و سحر سہرا

مبارک ہو مبارک ہو، بنا ہے بادشا نوشہ
نچھاور کیلئے لایا ہے اپنے ساتھ زر سہرا

مرے ہر شعر پہ وجد آئے گا ہر اہل محفل کو
مرے سہرے کی دیگا داد کوکبؔ، جھوم کر سہرا

# طِلسمِ گُلِ تَر

حسن میں غیرت صد لعل و گہر ہے سہرا
کس طرحدار کا منظور نظر ہے سہرا

ہر کلی میں ہے نہاں رازِ نشاطِ جاوید
گل کھلانے کو طسلم گل تر ہے سہرا

تابہ دامن ترے سہرے کی بھی لڑیاں پہونچیں
گیسوئے حور کا بھی تابہ کمر ہے سہرا

ہے بجا تو نے اگر سر پہ چڑھا رکھا ہے
جانِ مادر ہے تمنائے پدر ہے سہرا

جلوۂ حسنِ خداداد ہے جس کی تعبیر
مژدہ اے ماہ کہ وہ خوابِ سحر ہے سہرا

عید یہ ہے کہ نسیم آج بنے ہیں دولہا
کیف شادی ہی میں مخمور اگر ہے سہرا

باپ کے دل سے کوئی اس کی بہاریں پوچھے
سر پہ بیٹے کے جو تسکین نظر ہے سہرا

اسی پردے میں نظر آئے گا روئے مقصود
پردۂ رخ جو ترا، رشک قمر ہے سہرا

اہل بینش جو ہیں آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں
بزم میں رونق دنیائے نظر ہے سہرا

بزم شادی کا جو انداز ہے پاکستانی
پرچمِ لیگ ہے پیغام ظفر ہے سہرا

گل کھلائے ہیں وہ اس سہرے میں کوکبؔ تو نے
آج بھی بزم سخن میں ترے سر ہے سہرا

نانا نانی کو مبارک ہو یہ تقریب سعید
دادا دادی کیلئے جان دگر ہے سہرا

التفات اور بڑھے دیکھنے والے دیکھیں
یہ حقیقت ہے کہ دنیائے نظر ہے سہرا

کیسے حسنین ہیں خوش کیسے ہیں مسرور عقیل
نور دیدہ کا ہے یہ نور نظر ہے سہرا

چڑھ گیا دولہا پہ تہذیب کا تطہیر کا رنگ
یہ بناوٹ نہیں اعجاز ہنر ہے سہرا

# ایک ہم کار کی ترقی اور تبادلے پر لکھی گئی

## ایک رخصتی نظم

گلزار ہے گل کھلتے ہیں اٹھتی ہیں گھٹائیں
بلبل کے ترانے ہیں پپیہے کی صدائیں

مدہوش کئے دیتی ہیں یہ مست ہوائیں
اور دل پہ قیامت ہیں حسینوں کی ادائیں

رندوں کو ہے یہ فکر کہ ہم کاگ اڑائیں
پی کر مئے انگور کو ، پھر رنگ جمائیں

یہ ظلم ہے سہتے رہیں گردوں کی جفائیں
اور اس پہ یہ تاکید بھی ہے لب نہ ہلائیں

جو ہم پہ گزرتی ہے کہاں جا کے سنائیں
ہیں داغ جو دل پر وہ کسی کو تو دکھائیں

جاتے ہیں کماڑی سے بس اب حضرتِ انور
سب مل کے کریں ان کیلئے دل سے دعائیں

ہم روک تو سکتے نہیں کیا بس ہے ہمارا
جاتے ہیں ترقی پہ تو پھر شوق سے جائیں

اخلاق میں یہ فرد ہیں ہمدرد ہیں سب کے
ہر ایک یہ کہتا ہے یہاں سے تو نہ جائیں

صورت میں بھی سیرت میں بھی اخلاق و عمل میں
بیمثل ہیں بے مثل یہ آتی ہیں صدائیں

یہ جانتے ہیں ہم بھی تمہیں یاد کریں گے
مغموم سے بیٹھے ہیں انہیں کیسے بتائیں

وہ حال ہو دل کا جو سنے مجھ سے فسانہ
سب شوق سے سنتے رہیں ہم دل سے سنائیں

اظہارِ محبت یہ زبانی نہیں اپنا
مرنے کو کہا کرتے ہیں ہم مر کے دکھائیں

کچھ اور بلندی ہو بلندی پہ نظر ہے
جس شان سے جاتے ہیں اسی شان سے آئیں

کوکبؔ وہی ہم ہوں گے وہی حضرت انور
پھر آئیں گے بدلیں گی کیماڑی کی فضائیں

# غزل

یہ غم کے ہیں دن یا یہ دن ہیں طرب کے
فلک نے نکالے ہیں بدلے یہ کب کے

جہازوں کا آنا جہازوں کا جانا
کیماڑی کے منظر بھی ہیں کیا غضب کے

کوئی آ رہا ہے، کوئی جا رہا ہے
یہ غم بھی ہے پہلو بہ پہلو طرب کے

کہیں رونے والوں کا مجمع لگا ہے
کہیں دیکھئے تو ہیں میلے طرب کے

کہیں دل کی چوری کہیں سینہ زوری
حسینوں کے جھمگٹ ہیں کیسے غضب کے

کوئی پی رہا ہے کوئی سر بہ سجدہ
ہے تفریق ، دونوں ہی بندے ہیں رب کے

جدائی کی گھڑیاں بھی گھڑیاں ہیں کیسی
کہ آئینہ دار اب تو چہرے ہیں سب کے

یہ برسات کی رت یہ آہیں یہ آنسو
اسی طرح اب تو گزاریں گے اب کے

فضل داد صاحب ریٹائر ہوئے ہیں
کہیں کیا جو دل پر گزرتی ہے سب کے

میں تعریف ان کی کروں کیا کہ کیا ہیں
محبت کے ساتھ ان کے تیور غضب کے

ہمیشہ رہے کام پر اپنے حاوی
کیا ہی نہیں ہے کبھی کام دب کے

ہے پبلک بھی راضی اور اسٹاف بھی خوش
فدائی ہیں سب اور یہ محبوب سب کے

خوشی سے گزاریں یہ آزاد ہوکر
نصیب ان کو بھی دن ہوں کوکبؔ طرب کے

# حرفِ آخر

اس بات سے قطع نظر کہ کسی فراموش شدہ خوش فکر و معتبر خوش بیان و مستند شاعر کا کلام گردِ زمانہ میں دبے اوراق سے نکال کر دنیائے ادب کے حوالے کر دینا کسی اہمیت کا حامل ہے کہ نہیں، میری خوش وقتی کیلئے یہی بہت ہے کہ یہ کام میرے ہاتھ سے انجام پایا۔ تمام عجز و انکسار کے ساتھ میرا اسارا وجود بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہے اور وہی شاہد ہے کہ میں نے یہ خدمت کسی منفعت کیلئے انجام نہیں دی۔۔۔۔۔۔۔ع　　نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرٗوا

اس کتاب کو باوقار بنانے میں ڈاکٹر تقی عابدی اور پروفیسر حسن سجاد کے تنقیدی اور تعمیری مقالے اور جناب ساحر لکھنوی اور ڈاکٹر ہلال نقوی کی بے مثال خوبصورت تحریروں نے جو حُسن پیدا کیا ہے کسی قاری سے پوشیدہ نہیں، میں ان حضرات کی کاوشوں کیلئے بہ صمیمِ قلب سپاس گزار ہوں اور ان کی فکر و قلم کی پاسداری اور حیاتِ ادب میں ان کیلئے عُمر خضر کا خواہاں ہوں۔ چندن اور ظفر زیدی کی تحریریں ان کے حقِ رفاقت و وراثت کی امین ہیں اور کتاب کی قدر میں اضافہ کا باعث ہیں نیر اسعدی اور ساجد رضوی کے علاوہ عالم حسین تقوی، عالم زیدی اور گوشی کے خرم بھائی کے مشوروں سے میں نے استفادہ کیا ہے جس کیلئے میں ان کا مشکور ہوں، کبّن ماموں کے ناظم آباد کے گھر میں یہ کتاب مرتب ہوئی اس لئے ان کا بھی بطور خاص شکریہ۔ میرے ہمنام خالہ زاد باقر زیدی کا بیٹا علی باسط جس کو ایک دنیا گوشی کے نام سے جانتی ہے میرے کتاب کے اس سفر میں قدم بہ قدم اور منزل بہ منزل ساتھ رہا ہے اس کی ہمہ جہتی اور ہمہ وقتی آمادگی اور مستعدی میری مشکلوں کو آسانی اور تکلیفوں کو راحت سے بدلتی رہی۔ یہاں تک کہ کتاب مکمل ہوگئی۔ ناانصافی ہوگی اگر مددگاروں میں فیض محمد کا نام نہ آئے، اس کی مسلسل رفاقت اور جدوجہد نے بڑے مسائل حل کیئے، اللہ اس کے مسائل حل کرے۔ آمین۔

آپ سب کی صحت وسلامتی وخوشحالی کی دعاؤں کے ساتھ

باقرؔ زیدی